ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

۱۳ ستمبر ۱۹۹۴ء

☆ داعیٔ تحریک کے چوتھے خطبۂ خلافت کی تیسری قسط

☆ حزب التحریر، مسلم میڈیا اور فکرِ تازہ کی لہر جو نظرانداز کی جارہی ہے

☆ آبادی میں خوفناک اضافہ -------- حقیقت ہے یا ایک واہمہ

حدیثِ امروز

بندہ یہ خدائی سے خفا کس کے لئے ہے؟

پاکستان کی سیاست آج (۱۸ / ستمبر کو) جس مقام پر کھڑی ہے اس سے نظر کو جہاں تک دوڑایا جائے' ہر سمت تباہی کے عفریت منہ پھاڑے راستہ روکے دکھائی دیتے ہیں جن کا بس چلے تو ملک کو اس کے مستقبل سمیت سموچا نگل جائیں اور اس کا موقع ہم انہیں فراہم کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ یہ کوئی نیا رونا تو نہیں جو ہم لے بیٹھے' اسی قصۂ غم کا تسلسل ہے جو اب اپنے منطقی انجام کو پہنچتا نظر آتا ہے۔ قوم کے اعمال کی شامت نے بے نظیر حکومت کی صورت میں ہمیں پہلے ہی گرفت میں لے رکھا تھا' نئی افتاد "نواز شریف" ہے۔ اور یہ عنوان کوئی ہماری اختراع نہیں' خود جناب نواز شریف کے اپنے طرزِ تکلم سے مستعار ہے۔ وہ اپنی عوامی اور "ٹرینی" تقریروں میں جس طور "نواز شریف" کی گردان کرتے رہے' اس کا واحد مطلب یہ ہے کہ وہ خود تو نواز شریف ہیں ہی' آپا جی حضور بھی نواز شریف ہیں' شہبار بھائی بھی نواز شریف' عزیزی حسین نواز بھی نواز شریف' لالو کھیت کا غازی گوہر ایوب بھی نواز شریف' لال حویلی کا اسپِ تازی شیخ رشید بھی نواز شریف' زبان درازی کے اکھاڑے میں نیا نیا اترنے والا پہلوانِ غمازی امجد یاسین بھی نواز شریف' گجرات کے شہنشاہِ لفاظی چودھری شجاعت بھی نواز شریف' شیخ ظہور جیسے جاں نثارانِ اعزازی بھی نواز شریف' شہید جرنیلوں کی آخری بازی کھیلنے والے بیٹے بھی نواز شریف' مولانا عبدالستار خان نیازی بھی نواز شریف اور قصہ مختصر پوری قوم بشمول اپنے مخدوش مستقبل' زبوں حال اور بس غنیمت ماضی بھی نواز شریف۔ "جب تک نواز شریف زندہ ہے' کوئی اس قوم کی قسمت سے کھیل نہیں سکے گا"۔ اور کھیلے گا تو خود نواز شریف کھیلے گا جیسے کھیل کر دکھا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ "نواز شریف" کا وہ مفہوم نہ لیا جائے جو ہم نے لیا تو پوچھنا ہو گا کہ اس شخص نواز شریف نے کہیں سے "آبِ حیات" کی گھونٹ تو نہیں بھر لی؟۔

قوم کا یہ زعیم' ہمارا عوامی لیڈر زبان سے خندق پار کر گیا ہے۔ اس کی زبان کا ٹانکا کیا ٹوٹا' ملک و قوم کا کوئی راز راز نہ رہا اور ابھی کیا' زبان جب تک ہلتی ہے کچھ بھی صادر ہو سکتا ہے۔ ملک کی فوج پر ہیروئین فروشی کا الزام تک تو لگ گیا۔ صرف یہ بتانا باقی رہ گیا ہے کہ کون واسطہ اور وسیلہ بننے والا تھا۔ دیوانہ بکارِ خویش ہشیار' شاید زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گئے کہ بی سی سی آئی اور آغا حسن عابدی کا نام زبان پر چڑھا نہیں یا ہو سکتا ہے کہ بارِ احسان زیادہ ہی گراں ہو یا پھر شاید کوئی اور پردہ نشیں تھا جس کا نام لیتے زبان لڑکھڑاتی ہے۔ نواز شریفیت کے مومنِ صادق کراچی کے ہفت روزے نے نواز شریفی کے زمانۂ عروج میں ایک نظم چھاپی جس میں سے ایک شعر کو نکال کر رنگین سرورق کی زینت بھی بنایا تھا۔ اس کا مصرع ثانی تھا "تجھے نواز رہا ہے خدا' نواز شریف"۔ اسی پر تضمین میں ان سطور کے راقم جیسے نرے نثر نگار پر بھی فی البدیہہ ایک قطعہ کی آمد ہو گئی' مصرعۂ محولہ بالا میں بس ذرا سے تصرف کے ساتھ۔

کلام کا جو تکیہ بنا نواز شریف — تو نام قوم کا اب ہو گیا نواز شریف
زبان اپنی نہ تجھ سے سنبھل سکی ورنہ — تجھے نواز رہا "تھا" خدا نواز شریف

(باقی اندرونی سرورق کی دوسری جانب)

قیمت ۶ روپے

الھدیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البقرہ
(آیت ۲۰۳)

اور یاد کرو اللہ کو گنتی کے چند دنوں میں‘

(ایام معدودات سے یہاں مراد ذوالحج کی گیارھویں‘ بارھویں اور تیرھویں تاریخیں ہیں۔ حج کے دیگر مناسک سے فراغت کے بعد ان ایام میں حجاج کرام کے لئے منیٰ میں قیام لازم ہوتا ہے۔ رمی جمار یعنی شیاطین کو کنکریاں مارنے کا مرحلہ بھی انہی دنوں میں درپیش ہوتا ہے۔ قیام منیٰ کے دوران ہر نماز کے بعد تکبیر کہنے اور دیگر اوقات میں بھی کثرت کے ساتھ اللہ کو یاد کرنے کی خصوصی تاکید کی گئی ہے کہ یہ گنتی کے چند دن ہی تو ہیں تو ان میں ذکر الٰہی کی دولت سے جتنا زیادہ اپنا دامن بھر سکتے ہو بھر لو‘ ایسے مواقع روز کب میسر آتے ہیں!)

تو جو کوئی جلدی چلا گیا دو ہی دن میں تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو ٹھہرا رہے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں‘ یہ ان کے لئے ہے جو تقویٰ کو ملحوظ رکھیں‘

(کہ کسی کو اگر عجلت ہو اور وہ دو ہی دن قیام کے بعد منیٰ سے رخصت ہونا چاہے تو اس کی بھی اجازت ہے‘ تاہم اس عجلت کا سبب قیام منیٰ کی طوالت سے بیزاری اور گھبراہٹ نہیں ہونا چاہئے‘ اور جو تیسرے دن بھی ٹھہرا رہے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے ثواب میں کچھ اضافہ ہی کرے گا۔ لیکن یہ سب باتیں تبھی نفع بخش ثابت ہو سکتی ہیں کہ جب انسان تقویٰ کو اپنا شعار بنائے اور پرہیزگاری اختیار کرے)

اور اللہ سے ڈرتے رہو اور خوب جان رکھو کہ تم سب اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے○

(کہ زمانہ حج ہی میں نہیں‘ ہر کام میں اور ہر دم اللہ کی ناراضگی اور اس کی پکڑ سے ڈرتے رہو‘ اس کے احکام توڑنے سے اور گناہوں کا ارتکاب کرنے سے بچتے رہو اور اس اٹل حقیقت کو ہر وقت اپنے پیش نظر رکھو کہ ایک دن تم سب اللہ کے حضور جمع کر دیئے جاؤ گے اور وہاں تمہیں اپنے ہر ہر عمل کا حساب دینا ہوگا!!)

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

جوامع الکلم

منافق کی تین علامتیں ہیں : جب بات کرے جھوٹ بولے‘ جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے‘ خواہ نماز پڑھتا ہو‘ روزہ رکھتا ہو اور خود کو اپنے تئیں مومن سمجھتا ہو۔

(نفاق ایک باطنی روگ کا نام ہے جو ایمان کی پونجی کو گھن کی طرح چاٹ جاتا ہے۔ اس معاملے کا تعلق اگرچہ انسان کے باطن سے ہے اور کسی دوسرے کی باطنی کیفیت کا صحیح صحیح اندازہ کرنا کہ اس کے دل میں ایمان موجود ہے یا وہاں نفاق نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں‘ کسی شخص کے لئے ممکن نہیں‘ بلکہ بسا اوقات خود اپنی قلبی کیفیت سے بھی انسان پورے طور پر آگاہ نہیں ہوتا اور بالکل غیر محسوس طور پر نفاق انسان کے باطن میں سرایت کر جاتا ہے اور اسے ایمان کی دولت سے محروم کر دیتا ہے۔ چنانچہ ہماری سہولت کے لئے نبی اکرم ﷺ نے چند علامات ایسی بیان فرمادی ہیں جن کی موجودگی اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ نفاق کا مرض دل میں اپنی جڑیں جما چکا ہے۔ پہلی علامت ہے دروغ گوئی اور کذب بیانی‘ دوسری ہے وعدہ خلافی اور تیسری ہے امانت میں خیانت۔ حدیث کا آخری ٹکڑا لرزا دینے والا ہے کہ خواہ کوئی شخص اپنی جگہ ایک باعمل مسلمان ہو‘ وہ نماز کا پابند ہو‘ روزہ باقاعدگی سے رکھتا ہو اور بزعم خویش یہ سمجھتا ہو کہ وہ سچا اور پکا مومن ہے‘ لیکن اگر مذکورہ بالا تین اوصاف بد اس میں موجود ہیں تو اسے جان لینا چاہئے کہ وہ ایمان حقیقی کی دولت سے محروم ہو چکا ہے اور نفاق کے مرض نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ یہ حدیث ہر مسلمان کے لئے ایک آئینے کا درجہ رکھتی ہے جس میں وہ اپنی باطنی تصویر بخوبی دیکھ سکتا ہے۔ آیئے اس حدیث کی روشنی میں ہم سب اپنا اپنا جائزہ لیں کہ کہیں ہم نفاق عملی کا شکار تو نہیں ہو گئے!)

(صحیح بخاری و صحیح مسلم بروایت حضرت ابوھریرہؓ)

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۳ شمارہ ۳۷

۲۷ ستمبر ۱۹۹۴ء

18

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تحریکِ خلافت پاکستان
۴ اے مزنگ روڈ۔ لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: -/۶ روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) -/۱۲۵ روپے

زرتعاون برائے بیرون پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۲ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ———
افریقہ، ایشیا، یورپ ———
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ———

اداریہ

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

جن علمائے کرام اور رجال دین سے ہم مخاطب ہیں' وہ کلام ربانی کی متذکرہ بالا ہدایت (آیت ۱۷۹۔ سورہ البقرہ) کا مطلب ہماری نسبت یقیناً زیادہ بہتر سمجھتے ہیں لیکن اس موقع پر ہم اس کا مفہوم یہ لینے کی جسارت کر رہے ہیں کہ اسے اہل خرد! تقویٰ کی روش پر قائم رہنے کی غرض سے تمہارے لئے (منکرات کے خلاف) مزاحمت میں زندگی اور بقاء ہے۔ ہمیں اطمینان ہے کہ اس طرح ہم نہ تو تحریف معنوی کے جرم عظیم کے مرتکب ہوئے ہیں اور نہ مفہوم مخالف اخذ کرنے کے سزاوار ہیں تاہم کسی درجے میں ہم سے اس نوع کی کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے تو نیت کا حال جاننے والا اللہ معاف کرے اور اہل علم بھی درگزر فرمائیں۔ کہنا دراصل ہم علمائے کرام اور شعائر دینی کے حق میں غیرت و حمیت رکھنے والے مسلمان خواتین و حضرات سے یہ چاہتے ہیں کہ معصیت و عدوان کی طغیانی روزافزوں ہے' یہ سیلاب بلا اب ہمارے سروں سے گزر رہا ہے اور اس حادثے کے رونما ہو جانے میں زیادہ وقت لگتا نظر نہیں آرہا کہ ہم اپنی دینی و اخلاقی قدروں کی بچی کھچی پونجی سمیت اسی طرح غرق ہو جائیں جیسے اللہ تعالیٰ نے قبل ازیں بہت سی قوموں کو صفحہ ہستی سے نیست و نابود کیا اور پھر اپنے دین کی حفاظت کسی اور گروہ کو تفویض کر دی۔

ہم میں سے جس نے بھی اپنی آنکھیں بند نہیں کر لی ہیں' اسے یہ دیکھنے کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت محسوس نہ ہو گی کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد سے ہی ہم نے متعدد عوامل کے زیر اثر آزادی کا جو یہ مفہوم لینا شروع کر دیا تھا کہ اب ہمیں اپنی من مرضی کرنے کی کھلی چھٹی ہے' وہ ذہنی رویہ قوم کی عملی زندگی میں مسلسل پروان چڑھتا اور برگ و بار لاتا رہا ہے اور اب اس شجرۂ خبیثہ کی چھتر چھاؤں نے ہماری پوری کی پوری انفرادی و اجتماعی زندگی کے معمولات کو اپنے منحوس سایہ میں لپیٹ لیا ہے۔ زوال و انحطاط کی یہ ہمہ گیریت کسی ایک واقعے یا سانحے' حالات کی کسی ایک کروٹ اور ملکی سیاست کے کسی بھی مخصوص ادوار چڑھاؤ سے منسوب و متعلق قرار نہیں دی جا سکتی۔ بس پستی کی طرف ہمارا لڑھکنا جو ایک مرتبہ شروع ہو گیا تھا' وہ مسلسل جاری ہے بلکہ طبیعی سائنس کے اصول کے مطابق ڈھلوان کی طرف جاتے ہوئے ہمارے زوال کی رفتار میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔

حکومتیں بدلیں' حکمران آئے گئے' جمہوریت سے مارشل لاء' مارشل لاء سے آمریت اور آمریت سے جمہوریت کی طرف رجوع کرتے ہوئے انارکی کے چنگل میں پھنس جانے کے سب مرحلوں میں ہر نوع کے تغیرات کا سامنا کرتے بھی ہم کسی ایسی تبدیلی سے دوچار نہ ہوئے جو ہماری دینی و اخلاقی حالت میں بہتری کے آثار پیدا کر دیتا۔ اخلاقی قدروں اور دینی شعائر کے ساتھ قوم بدستور چوہے بلی کا کھیل ہی کھیلتی رہی۔ بازی بازی' باریش بابا ہم بازی۔ اس دوران مختصر وقفوں میں یہ ضرور ہوا کہ کبھی یہ ڈرامہ سٹیج کے عقب میں اور ہماری نظربندی کا کوئی جادو جگا کے پس پردہ کھیلا جاتا رہا اور کبھی یہ ناٹک بیچ بازار کے ہوا۔ پھر اس منحوس و ملعون مشق ستم کی کیفیت و کمیت کے روپ بہروپ میں اس کثرت سے ادل بدل کیا جاتا رہا ہے کہ ہماری حس غیرت و حمیت ششدر ہو کر رہ گئی اور کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا۔

ایک طرف یہ قیامت ہماری اخلاقی اقدار اور دینی شعائر پر ٹوٹی اور دوسری طرف علمائے کرام اور رجال دین کو انتخابی سیاست کے سامری نے آن دبوچا۔ کم بخت نے ان کے وقار و اعتبار کا وہ زیور لے کر اس کا سونا ایک بچھڑے کی شکل میں ڈھال دیا جو وہ ۱۹۴۷ء تک لٹنے پٹنے کے باوجود بچا لینے میں کامیاب ہو گئے تھے اور وہ بھی جو مال غنیمت میں ہاتھ لگا۔ اس

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

داعیٔ تحریک کے چوتھے خطبۂ خلافت کی تیسری قسط

نظام کو بدلنے کے لئے تصادم ناگزیر ہو گا

خلافت کے قیام کے لئے حقیقی ایمان کی آبیاری شرطِ لازم ہے

مرتبہ : نثار احمد ملک

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کے برعکس ہم دیکھتے کہ غزوۂ بدر میں محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تین سو تیرہ تھے۔ جب حضور ﷺ نے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے کہہ دیا تھا کہ حضور ہمیں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں پر قیاس نہ فرمائیں کہ جنہوں نے کہہ دیا تھا کہ "فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون" اور یہ بات کہنے والے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے۔ اس لئے اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے کہا تھا کہ۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سیرت نبوی میں پندرہ برس تک اس نسخۂ کیمیا کی ہی کیمیا گری ہو رہی ہے۔ دعوت و تبلیغ سے لے کر تزکیۂ نفوس تک کے تمام مراحل قرآن کے ذریعے طے ہو رہے ہیں۔ ان سارے مراحل سے گزرنے کے بعد بدر کا مرحلہ آتا ہے۔ ہمیں بدر کا مرحلہ اہم نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں اہم وہ مرحلہ ہے کہ جس سے بدر کے لئے لوگ تیار ہوئے۔

ان مردانِ کار کی تیاری کے بعد دوسرا مرحلہ آتا ہے۔ وہ لوگ جو اس دعوتِ ایمان کے نتیجے میں تزکیۂ نفوس کے مراحل سے گزر کر اپنی ذات پر اللہ کا دین قائم کر چکے ہیں' جب تک انہیں کسی مضبوط تنظیم کے اندر جوڑا نہیں جائے گا یہ کچھ نہیں کر سکیں گے۔ یہ کہانی بچپن میں پڑھی تھی کہ باپ نے بیٹوں کو نصیحت کی تھی کہ بیٹا لکڑیوں کے اس گٹھے کو توڑو بیٹوں میں سے کوئی بھی نہ توڑ سکا۔ اس کے بعد باپ نے لکڑیوں کے گٹھے کو کھولتے ہوئے کہا کہ اب توڑو اس کو بیٹوں نے آسانی سے توڑ دیا۔ اس موقع پر باپ نے نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ دیکھو! جب تم جمع ہو گے تو تمہیں کوئی توڑ نہیں سکے گا۔ اس کے برعکس اگر تمہارے درمیان تفرقہ ہو جائے گا تو تمہیں ہر کوئی آسانی سے توڑ لے گا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ایک اکیلا اور دو گیارہ ہوتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے جماعت کی اہمیت کو بہت واضح کیا۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ "امرکم بخمس" کہ مسلمانو میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دے رہا ہوں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ "اللہ امرنی بھن" کہ اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے یعنی اپنے پاس سے نہیں کہہ رہا۔ یہ بات حضور ﷺ نے تاکید مزید کے لئے ارشاد فرمائی ورنہ حضور ﷺ اپنے پاس سے بھی فرماتے تب بھی مستند ہے ان کا فرمایا ہوا! اس لئے کہ قرآن کہتا ہے کہ "وماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی" یعنی وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے بلکہ یہ تو وحی ہے جو ان پر نازل ہوتی ہے۔ بہرحال آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں اور یہ حکم مجھے اللہ نے دیا ہے۔ وہ پانچ باتیں کیا ہیں! "بالجماعۃ والسمع والطاعۃ والہجرۃ والجہاد فی سبیل اللہ" یعنی التزام جماعت کا' سمع وطاعت کا' اور اللہ کی راہ میں ہجرت اور جہاد کا حکم۔

اس موقع پر میں یہ بات بھی نہایت افسوس کے ساتھ عرض کرتا جاؤں کہ ہمارے فکری افلاس اور محرومی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے اس قولِ مبارک کی طرف مسلمانوں کی توجہ ہی نہیں ہے جبکہ ایک دوسری حدیث جس میں ارکان اسلام کا بیان ہے' اس کا مفہوم ہر مسلمان کے ذہن میں موجود ہے۔ مندرجہ بالا حدیث میں بھی پانچ ہی چیزوں کا ذکر ہے لیکن اس کی طرف امت مسلمہ کی توجہ ہی نہیں ہے۔ حالانکہ ارکان اسلام والی حدیث خبریہ ہے جبکہ اس حدیث میں حکم ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دینی تصورات کتنے محدود ہیں۔ میں اس کا پس منظر بھی واضح کرتا جاؤں کہ جب نظامِ خلافت ختم ہوا تو اس کے بعد ملوکیت آگئی۔ یہ ملوکیت دو طرح کی تھی۔ پہلے مسلمانوں کی ملوکیت آئی' اس کے بعد غیر مسلموں کی۔ بلاد اسلامیہ کے اکثر حصے مغربی اقوام کی غلامی میں آگئے۔ ہم برِ عظیم پاک و ہند کے مسلمان انگریزوں کے غلام تھے۔ اس غلامی کے دور میں بھی نماز روزہ تو چلتا رہا لہٰذا اس کا تصور ذہنوں میں موجود رہا ہے جبکہ جہاد و قتال' انقلاب اور اقامتِ دین ذہنوں سے نکل گئے۔ جب ایک چیز ذہنوں سے نکل جائے تو گویا آنکھ اوجھل' پہاڑ اوجھل والا معاملہ ہو جاتا ہے۔

بہرحال اس انقلابی جدوجہد کے دوسرے مرحلے میں جماعت کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ یہ جماعت بھی فوج کے سے ڈسپلن کی حامل ہوتی ہے۔ جو افسر کا حکم ہے وہ سنو اور مانو! تمہیں اس کا حق نہیں ہے کہ اس سے پوچھ سکو کہ تم یہ حکم کیوں دے رہے ہو' اس کی حکمت اور غرض وغایت کیا ہے۔ یہ جو تم حکم دے رہے ہو معقول بھی ہے کہ نہیں! آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ پہلے مجھے سمجھاؤ پھر میں تمہارا حکم مانوں گا۔ اگر فوج میں یہ طرزِ عمل پروان چڑھنے لگے تو پھر وہ فوج نہیں ہے۔ مجھے میٹرک میں پڑھی ہوئی ایک نظم چارج آف لائٹ برگیڈ کا شعر یاد آرہا ہے کہ۔

THERE's NOT TO REASON WHY
THERE's BUT TO DO AND DIE

یہ جماعت سمع وطاعت کی خوگر ہونی چاہئے۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ "اذ قلتم سمعنا واطعنا" کہ یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ سورۂ بقرۃ کی آخری سے پہلی آیت میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ "وقالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا والیک المصیر" اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور مان لیا۔ اے ہمارے رب تیری بخشش چاہتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ آپ کو قرآن حکیم میں "سمع وطاعت" کی اصطلاح بار بار ملے گی۔ یہ دونوں اصطلاحیں گاڑی کے دو

پہیوں کی طرح ساتھ ساتھ آتی ہیں۔ اور کسی انقلابی جماعت کا اس کے بغیر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

کسی بھی انقلابی جماعت کے تین اوصاف ہوتے ہیں۔ پہلی خصوصیت یہ ہونی چاہئے کہ وہ جماعت بالکل نئی ہو۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس جماعت میں شمولیت کے لئے اس کے نظریے کو شعوری طور پر قبول کرنا ضروری ہو۔ اس میں شمولیت اختیار کرنے کے بعد انسان زندگی کی بازی تک کھیل جانے کے لئے تیار ہو۔ اس انقلابی جماعت کی تیسری خصوصیت یہ ہونی چاہئے کہ اس کے "کاڈرز" بالکل نئے ہوں۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ جو پہلے سے معاشرے میں کسی حوالے سے اونچا ہے وہ اس جماعت میں بھی اونچا ہی ہو۔ چونکہ معاشرے میں سید اونچا ہے لہٰذا وہ یہاں بھی اونچا متصور ہو اور مسلی نیچ ہے لہٰذا وہ اس جماعت میں بھی نیچا ہی ہو۔ اگر ایسا ہے تو وہ انقلابی جماعت نہیں ہے۔ اس انقلابی جماعت میں جس کی جتنی زیادہ قربانی ہے وہ اتنا ہی بلند ہے۔ اس انقلابی نظریے کے ساتھ اس کی وابستگی اور قربانی ہی کسی کا مقام متعین کرنے کی بنیاد بنے گی۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے نظم جماعت کو بیعت کی بنیاد پر استوار کیا۔ قرآن حکیم میں سورۂ فتح کی آیت نمبر 10 میں بیعت کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ فرمایا "ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم" اے نبی ﷺ جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے تھے وہ دراصل اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا---- عام طور پر بیعت لیتے وقت یہی شکل ہوتی ہے کہ جو شخص بیعت کرتا ہے اس کا ہاتھ اوپر ہوتا ہے اور جس کے ہاتھ پر بیعت کی جاتی ہے اس کا ہاتھ نیچے ہوتا ہے۔ یہاں کہا جا رہا ہے کہ اے نبی! ایک ہاتھ آپ کا ہے' ایک بیعت کرنے والے کا جب کہ تیسرا ہاتھ بھی ہے جو اللہ کا ہے' وہ ہاتھ نظر نہیں آ رہا۔ یہ اللہ کا ہاتھ اس لئے ہے کہ وہ یہ سودا اللہ کے ساتھ کر رہے ہیں۔ سورہ توبہ میں "بیع و شراء" دونوں الفاظ اپنی پوری جامعیت کے ساتھ اطاعتِ کلی کے قول و قرار اور عہد و پیمان کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں' فرمایا "ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون وعدا علیہ حقا فی التورۃ والانجیل والقران ومن اوفی بعھدہ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ وذلک ھو الفوز العظیم" یعنی حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جان اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں' قتل کرتے اور قتل ہوتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے اس طرز عمل پر پختہ وعدہ ہے تورات میں بھی' انجیل میں بھی اور قرآن میں بھی۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے سودے پر جو تم نے اللہ کے ساتھ چکا لیا ہے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

یہ خرید و فروخت اللہ اور بندے کے درمیان بواسطہ محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔ آپ نے اپنی جان و مال اللہ کے ہاتھ میں بیچ دی' اس لئے اس کی جو قیمت ہے وہ بھی اللہ ہی دے گا۔ اور وہ قیمت جنت ہے۔ لیکن اس دنیا میں یہ جان و مال اللہ کے دین کے غلبہ اور نظامِ خلافت کو برپا کرنے کے لئے کیسے لگانا ہے؟ ظاہر بات ہے کسی نظمِ جماعت کے تحت ہی لگانا ہو گا۔ اس نظمِ جماعت کا جو بھی صاحبِ امر ہے اس کے ہاتھ پر بیعتِ سمع و طاعت کرنی ہو گی۔ اس وقت وہ صاحبِ امر محمد رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس موجود تھے لہٰذا ان کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔ اس موقع پر میں ایک بہت اہم نکتہ واضح کرنا چاہتا ہوں۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کو بیعت کی ہرگز ضرورت نہ تھی۔ آپ یقیناً اس بات پر چونکیں گے کہ آپ ﷺ نے ایک بلا ضرورت کام کیا ہے۔ شاید آپ یہ بھی سمجھیں کہ حضور ﷺ کی توہین ہو رہی ہے' معاذ اللہ۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے کہ آپ ﷺ کو کیوں ضرورت نہ تھی۔ آپ ﷺ اللہ کے رسول اور نبی تھے لہٰذا جو شخص بھی آپ پر ایمان لے آیا اس کو آپ کا ہر حکم ہر صورت میں ماننا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ "وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ" ہم نے کوئی رسول بھیجا ہی نہیں مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ ایک دوسرے مقام پر فرمایا کہ "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ"۔ جس نے رسول کی اطاعت کی یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

ان احکامات کی موجودگی میں کسی رسمی معاہدے کی ضرورت کیا تھی؟ میں بات سمجھانے کے لئے کہا کرتا ہوں کہ سچی نبوت کیا ہو گی' یہ ہمارے تصور میں بھی نہیں آ سکتی۔ جھوٹی نبوت میں اتنی طاقت ہے کہ قادیانی جماعت کا نظم آج تک قائم ہے۔ اس لئے کہ جس نے بھی کسی کو نبی مان لیا اس کو تو اطاعت کرنی ہے۔ اب آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں آپ کی بات تب مانوں گا کہ پہلے مجھے سمجھاؤ! یہ بات کسی ایسے شخص سے تو کہی جا سکتی ہے کہ جس کا نبوت کا دعویٰ نہیں ہے۔ اگر آپ کسی شخص کا دعویٰ نبوت قبول نہیں کرتے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ "ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقون" یعنی اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو دلیل لاؤ۔ لیکن جس کی نبوت پر آپ ایمان لے آئے اس کا تو فرمانا ہی دلیل ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ "وما اتکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنہ فانتھوا" یعنی جو کچھ رسول ﷺ دیں اسے لے لو اور جس سے روک دیں رک جاؤ۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کو کسی رسمی بیعت کی ضرورت نہ تھی۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر بیعت کیوں لی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ نہ لیتے تو بعد میں آنے والوں کے لئے اسوہ کہاں سے آتا۔ اس لئے کہ آپ کے بعد اب کوئی نبی تو آنے والا نہیں ہے۔ اب تو دجال ہی نبوت کا دعویٰ کرتے رہیں گے۔ ایک دجال "مسیلمہ کذاب" بالکل ابتدائی دور میں بھی پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے بعد پھر کوئی دجال ایران پیدا ہو گیا تو کوئی ہندوستان میں۔ شاید کوئی اور دجال بھی پیدا ہو جائے وہ مسیح الدجال تو خروج کرے گا ہی اس کے علاوہ چھوٹے دجال بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن اب نبی کوئی نہیں آئے گا۔ حضرت مسیحؑ بھی دوبارہ نبی کی حیثیت میں نہیں آئیں گے۔ وہ تو امامت بھی نہیں کرائیں گے۔ جب ان کے نزول کے بعد مسلمانوں کے امام کی طرف سے انہیں کہا جائے گا کہ اے روح اللہ آگے بڑھئے اور امامت فرمائیے! وہ کہیں گے کہ نہیں "امامکم منکم" تمہارا امام تمہی میں سے ہو گا۔ لہٰذا اب خلافت کے قیام کے لئے جو بھی جماعت بنے گی وہ اسوۂ رسول پر ہی بنے گی۔ حضور ﷺ نے یہ اسوہ اسی لئے چھوڑا کہ یہ امت مسلمہ کی ضرورت تھی۔

اس بیعت کا تذکرہ احادیث مبارکہ میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے وہ شعر نقل کیا ہے جو صحابہ کرام غزوۂ احزاب میں پڑھ رہے تھے۔ جب وہ خندق کھود رہے تھے تو ان کی زبانوں پر یہ شعر جاری تھا۔

نحن الذین بایعوا محمدا
علی الجھاد ما بقینا ابدا

"ہم وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے محمد ﷺ سے جہاد

کے لئے بیعت کی ہے' جب تک ہم زندہ رہیں"

ایک اور حدیث مبارکہ میں اس بیعت کا ذکر نہایت جامعیت کے ساتھ آیا ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اس حدیث مبارکہ میں ایک جماعت کا پورا دستور موجود ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ عن عبادہ بن الصامت ؓ قال بایعنا رسول اللہ ﷺ علی السمع والطاعہ فی العسر والیسر والمنشط والمکرہ وعلی اثرہ علینا وعلی ان لا ننازع الامر اھلہ وعلی ان نقول بالحق اینما کنا لا نخاف فی اللہ لومہ لائم وفی روایہ وعلی ان لاننازع الامر اھلہ الا ان تروا کفرا بواحا عندکم من اللہ فیہ برھان" (متفق علیہ) اس حدیث مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے کہ "حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تنگی اور آسانی' خوشی اور ناخوشی (ہر حالت میں) اطاعت و فرماں برداری' اپنی ذات پر (دوسرے کو) ترجیح دینے' اہلیت و صلاحیت رکھنے والوں سے معاملہ اطاعت میں نہ الجھنے' جہاں کہیں بھی ہوں گے حق بات کہنے اور اللہ کے بارے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرنے پر رسول اللہ سے بیعت کی" " اور ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس امر پر بیعت کی کہ ہم اہلیت رکھنے والے لوگوں سے معاملہ اطاعت میں نہیں الجھیں گے الا یہ کہ ان سے ایسا کفر صریح ظاہر ہو جس پر ہمارے پاس اللہ کی طرف سے کوئی دلیل موجود ہو"

یہ بیعتِ جہاد اور بیعتِ تنظیم کا نقشہ ہے جو کہ اس حدیث مبارکہ میں دیا گیا۔ یہ وہ پیری مریدی والی بیعت نہیں ہے' جسے ہمارے ہاں بیعتِ ارشاد سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان واضح احادیث کی موجودگی میں بھی ہماری مذہبی جماعتوں نے اس بیعت کے نظام کو اختیار نہیں کیا۔ وہاں جماعتی نظم کے لئے بھی وہی ممبری الیکشن کا غیروں سے مستعار لیا گیا نظام رائج ہے۔ لیکن نبی اکرم ﷺ نے جو نظام دیا ہے وہ سارے فتنوں کا سدباب کر دیتا ہے۔ اگر آپ انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں تو پھر آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ حکم بڑا مشکل ہے' میرے حالات صحیح نہیں ہیں یا اس وقت میرا موڈ آف ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "فی العسر والیسر" آسانی ہو یا مشکل' تنگی ہو یا سہولت ہر صورت میں ماننا پڑے گا۔ آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے لہٰذا میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ ظاہر بات ہے کہ اجتماعی فیصلوں میں سب کا اتفاق ضروری نہیں ہے۔ جب ایک دفعہ فیصلہ ہو جائے تو اختلاف کے باوجود ماننا ہو گا۔ چنانچہ غزوۂ احد میں حضور ﷺ کی رائے بھی یہی تھی کہ مدینے کے اندر محصور ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ اتفاق سے رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کی بھی یہی رائے تھی۔ حضور ﷺ نے دوسرے صحابہ کے جوش و جذبے کو دیکھتے ہوئے ان کی رائے کے مطابق فیصلہ فرمادیا کہ کھلے میدان میں جنگ ہو گی! اب یہ اجتماعی فیصلہ ہے لہٰذا جماعتی نظم کا تقاضا ہے کہ بس اس پر عمل کریں۔ اس موقع پر عبداللہ ابن ابی اپنے ساتھ تین سو آدمیوں کو لے کر واپس چلا گیا۔ اس نے کہا کہ جب ہماری بات نہیں مانی جاتی تو ہم اپنی جانوں کو کیوں خطرے میں ڈالیں۔ یہاں اس فتنہ کا بھی سدباب کر دیا گیا۔ فرمایا کہ "والمنشط والمکرہ" یعنی چاہے آپ کی طبیعت آمادہ ہو' چاہے آپ کو اس پر جبر کرنا پڑے' اجتماعی فیصلہ تسلیم کرنا ہو گا۔ یہ لفظ "منشط" نشاط سے بنا ہے۔ آپ کو جو حکم دیا جا رہا ہے اگر تو آپ کی بھی یہی رائے ہے تو آپ زیادہ خوش دلی سے اس پر عمل کریں گے۔ گویا یہ کیفیت نشاط ہے۔ اس کے برعکس اگر آپ کی رائے مختلف ہے تو آپ کو اپنی طبیعت پر جبر کرنا پڑے گا۔ اس کیفیت کو اکراہ کہیں گے۔ ان دونوں کیفیات میں حکم بہرحال ماننا ہو گا۔

اس حدیث مبارکہ میں جماعتی زندگی کے ایک اور بہت بڑے فتنہ کا بھی سدباب کر دیا گیا ہے۔ وہ فتنہ یہ ہے کہ فلاں شخص کو امیر بنا دیا گیا حالانکہ وہ کل آیا ہے جبکہ میں اتنا پرانا ہوں اور میری قربانیاں بہت زیادہ ہیں۔ سیرۃ مطہرہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے غزوۂ موتہ میں زید بن حارثہ ؓ کو امیر بنا دیا جبکہ ان کے ماتحت حضرت جعفر ابن ابی طالب ؓ تھے جو کہ حضور ﷺ کے چچازاد بھائی اور قریش کی شاخ بنو ہاشم کے چشم و چراغ تھے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے گویا کہ غلامی کا داغ لگا ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے انہیں منہ بولا بیٹا کہا تھا اگرچہ بعد میں قرآن نے اس منہ بولے بیٹے کے حوالے سے پورا قانون دے دیا کہ اسلام میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ بہرحال حضور ﷺ نے ان کو امیر مقرر کیا۔ اسی طرح حضور ﷺ نے جو آخری لشکر تیار کیا' اس کا امیر ان کے بیٹے اسامہ ؓ کو بنایا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم پر کوئی کن کٹا حبشی بھی امیر بنا دیا جائے تو اس کی اطاعت کرو۔ اس حدیث مبارکہ میں اس فتنہ کا بھی پوری طرح سدباب کر دیا گیا۔ فرمایا کہ "وعلی اثرۃ علینا" یعنی ہم نے اس پر بیعت کی کہ چاہے دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے' ہم ان کی بھی اطاعت کریں گے۔ اسی لئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ "من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصی امیری فقد عصانی" اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ "جس نے میری اطاعت کی' پس اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"

یہ ہے کہ وہ صاف سیدھا نظم جماعت جو ہمیں احادیث نبویہ سے ملتا ہے۔ اس میں کوئی پیچیدگی سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ چنانچہ ہم سیرت مطہرہ میں دیکھتے ہیں کہ غزوۂ احد کے موقع پر حضور ﷺ نے ایک درے پر پچاس تیرانداز مقرر کئے تھے۔ آپ کا حکم یہ تھا کہ چاہے ہم سب کے سب ہلاک ہو جائیں اور چیلیں ہمارا گوشت نوچ نوچ کر کھانے لگیں' تب بھی تم اس جگہ سے نہ ہلنا۔ لیکن جب فتح ہو گئی تو ان تیراندازوں میں سے ۳۵ نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس موقع پر مقامی کمانڈر آخری وقت تک کہتے رہے کہ تمہیں یہاں سے ہلنے کی اجازت نہیں ہے۔ چنانچہ ان تیراندازوں کی اس غلطی کا نتیجہ یہ نکلا کہ فتح شکست میں بدل گئی اور ستر صحابہ شہید ہو گئے۔

یہ اس انقلابی جدوجہد کا دوسرا مرحلہ ہے۔ پہلا مرحلہ مردان کار کی فراہمی ہے۔ یہ فراہمی دعوت ایمان بذریعہ قرآن ہو گی۔ اب جو لوگ اس دعوت کو قبول کریں ان کو جوڑنا ہو گا۔ اینٹیں علیحدہ علیحدہ نہیں ہوں گی بلکہ دیوار میں لگیں گی تب فصیل بنے گی۔ اینٹیں پختہ ہونی چاہیں اور ان کو جوڑنے والا مصالحہ بھی مضبوط ہونا چاہئے۔ وہ مضبوط سیمنٹ نظامِ بیعت ہے جو آپ ﷺ نے دیا ہے۔

اس موقع پر یہ بات بھی بیان کرتا جاؤں کہ میں نظم جماعت کے دوسرے طریقوں کو حرام نہیں کہتا۔ دوسرے طریقے بھی مباح ہیں۔ لیکن مسنون' ماثور اور منصوص طریقہ صرف بیعت ہے۔ یہ ہماری بہت بڑی محرومی ہے کہ ہم نے اس کو چھوڑ کر غیروں کے

طریقے مستعار لے لئے ہیں۔ بقول شاعر ۔

میں نے دیکھا ہے کہ فیشن میں الجھ کر اکثر
تم نے اسلاف کی عزت کے کفن بیچ دیئے
نئی تہذیب کی بے روح بہاروں کے عوض
اپنی تہذیب کے شاداب چمن بیچ دیئے

بہرحال ہم نے بیعت کے مسنون طریقہ کو اختیار کیا ہے۔ البتہ اس حوالے سے یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ اب حضور ﷺ کے بعد جس کی بیعت ہوگی اس کی اطاعت مطلق نہیں ہوگی۔ حضور ﷺ کی اطاعت مطلق تھی۔ آپ ﷺ جو بھی حکم دیتے وہ واجب العمل ہوتا۔ یہ اس لئے تھا کہ آپ ﷺ کوئی غلط حکم دے نہیں سکتے تھے۔ آپ معصوم تھے۔ لیکن آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اطاعت بھی مطلق نہیں ہے۔ اب جس کی بھی بیعت کی جائے گی اس کی اطاعت "فی المعروف" کی قید کے ساتھ ہوگی۔ امیر جو حکم شریعت کے دائرے کے اندر دے گا وہ مانا جائے گا ورنہ نہیں! یہی وجہ ہے کہ ہم نے تنظیم اسلامی کے دستور کی حیثیت سے مذکورہ بالا حدیث مبارکہ سے جو بیعت کا نظام لیا ہے' اس میں ایک لفظ کا اضافہ کر دیا ہے۔ وہ اضافہ یہ ہے کہ "ابایعک علی السمع والطاعۃ فی المعروف" اس کے علاوہ باقی الفاظ وہی ہیں جو مذکورہ بالا حدیث میں آئے ہیں۔

اب تک میں نے انقلابی جدوجہد کے دو مراحل کا ذکر کیا ہے۔ ان دو مراحل کو علامہ اقبال نے اپنے ایک شعر میں بہت خوبصورتی سے سمویا ہے۔ ۔

باشہ درویشی درساز و دما دم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن

یہ دعوت و تبلیغ بھی درویشوں کا کام ہے۔ اسی طرح یہ تربیت و تزکیہ کا عمل بھی درویشی کا کام ہے۔ تنظیم کے ساتھ پوری طرح چمٹ جانا یہ سب سے بڑی درویشی ہے۔ اس لئے کہ اس میں سب سے زیادہ اپنے نفس کو مارنا پڑتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی دوسرے کا حکم ماننا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ حضور ﷺ کے عہد مبارک میں منافقت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ان پر آپ ﷺ کی اطاعت گراں گزرتی تھی۔ جب آپ انہیں کہتے کہ قتال کے لئے نکلو تو وہ کہتے کہ قتال کے حکم پر مبنی کوئی آیت کیوں نہیں نازل ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے پردہ نفاق کو چاک کرنے کے لئے سورۃ محمد میں آیت محکمہ بھی نازل کر دی۔ لیکن ان کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ حضور ﷺ کا حکم کیوں مانیں؟ وہ بات مانیں گے جو قرآن میں نازل ہوگی۔ یہ فتنہ آج بھی موجود ہے کہ "حسبنا کتاب اللہ" کہ ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ یہ فتنہ آج انکار سنت کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کے ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس حدیث وغیرہ کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے' بس اللہ کی کتاب ہی کافی ہے۔ اسی حوالے سے میں عرض کر رہا ہوں کہ کسی کی اطاعت میں اپنے نفس کو مارنا پڑتا ہے۔ اپنے آپ کو اطاعت کا خوگر کرنا تزکیہ نفس کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

گویا چار کام مسلسل کرتے رہنا ہیں۔ ان چار کاموں سے درویشی کے چار عناصر پورے ہو جاتے ہیں۔ پہلا کام یہ ہے کہ دعوت ایمان بذریعہ قرآن کو مسلسل جاری رکھو۔ دوسرا کام یہ ہے کہ اسی قرآن کے ذریعے تزکیہ کا عمل بھی مسلسل جاری رہنا چاہئے۔ تیسرا کام یہ کہ اپنے آپ کو نظم کا خوگر بنالو۔ اپنے اندر سمع و طاعت کی روش کو مسلسل پروان چڑھاتے رہو۔ اس میں چوتھا عنصر یہ شامل ہوگا کہ تمہیں کوئی گالی بھی دے تو صبر کرو۔ آپ کو جواب میں گالی نہیں دینی۔ اسی طرح اگر کوئی پتھر بھی مارے تو صبر سے کام لو اور اس کے لئے دعا کرو کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے۔ اس لئے کہ "انھم لا یعلمون" یہ جانتے نہیں ہیں۔ اس صبر میں ایسا مقام بھی آسکتا ہے کہ تمہارے جسم کے ٹکڑے اڑادیئے جائیں لیکن تم نے جھیلنا ہے۔ کسی قسم کے تشدد میں جوابی کارروائی نہیں کرنی۔ چنانچہ ہم سیرت مطہرہ میں دیکھتے ہیں کہ مکہ میں بارہ سال تک یہی عمل جاری تھا۔ حضرت سمیہ اور حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنھما شہید بھی کر دیئے گئے لیکن جوابی کارروائی نہیں ہوئی۔ اس موقع پر مکہ مکرمہ میں چالیس صحابہ موجود تھے۔ یہاں یہ بات بھی نوٹ کر لیجئے کہ کسی کے دل میں یہ خیال بھی پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ وہ بزدل تھے۔ معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ۔ پھر بدلہ نہ لینے کی وجہ کیا تھی؟ ابوجہل کا ہاتھ کیوں نہ روکا؟ اس لئے نہیں روکا کہ حضور ﷺ کی طرف سے اجازت نہیں تھی۔ حکم یہ تھا کہ "کفوا ایدیکم" کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو! بقول اقبال ۔

نغمہ ہے بلبل شوریدہ تیرا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی

ابھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ وقت آنے پر تمہارے ہاتھ کھول دیئے جائیں گے۔ وہ مرحلہ آنے سے پہلے اپنے اندر سر تسلیم خم کرنے کی خو کو پروان چڑھانا ہوگا۔ بقول غالب ۔

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے نیازی تیری عادت ہی سہی

یہ چار کام وہ ہیں کہ جنہیں علامہ اقبال نے "باشہ درویشی در سازو دما دم زن" سے تعبیر کیا ہے۔ ان چار مراحل سے گزرنے کے بعد وہ مرحلہ آئے گا کہ جسے علامہ اقبال نے "چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن" سے تعبیر کیا ہے۔ جب یہ لوگ آزمائش کی بھٹیوں سے گزر کر کندن بن جائیں گے' تب نظام باطل کے ساتھ ٹکراؤ ہوگا۔ اس تصادم کے بغیر نظام نہیں بدلا کرتے۔ یہ انقلابی جدوجہد کا تیسرا مرحلہ ہوگا۔ اس مرحلے میں تصادم ناگزیر ہوگا۔ باطل نظام ٹھنڈے پیٹوں تبدیل نہیں ہوگا۔ یہ تو ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس پر پوری انسانی تاریخ گواہ ہے کہ تصادم کے بغیر نظام کبھی نہیں بدلا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امریکی قوم نے غلامی کی لعنت ختم کرنے کے لئے کتنا خون دیا ہے۔ افریقہ سے لوگوں کو قیدی بنا کر لایا گیا اور غلام بنالیا گیا۔ جب بعد میں یہ طے ہوا کہ اب آدم زرا خود شناس و خوگر ہوگیا ہے لہٰذا اب ہم انہیں آزاد کردیں گے۔ لیکن اس غلامی کو ختم کرنے کے لئے لاکھوں انسانوں کی قربانی دینی پڑی۔ اس مسئلے پر پوری امریکی قوم تقسیم ہوگئی' نتیجتاً خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ بہرحال یہ بات ہمیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ نظام بدلنے کے لئے ٹکراؤ ناگزیر ہوتا ہے۔ اس موقع پر مجھے علامہ اقبال مرحوم کا ایک اور فارسی شعر یاد آرہا ہے جو انہوں نے نجانے کس کیفیت میں لکھا۔ کہتے ہیں کہ ۔

گفتند جہان ما آیا بتوی سازد؟
گفتم کہ نمی سازد! گفتند کہ برہم زن

یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھ سے ایک بات کہی کہ ہماری یہ دنیا جس میں ہم نے تمہیں بھیجا ہوا ہے' اس نے تمہارے ساتھ ساز گاری کی ہے؟ میں نے کہا کہ میرے ساتھ آپ کا یہ جہاں ساز گار نہیں ہے! اس پر اللہ نے کہا کہ پھر اس کو توڑ پھوڑ کر رکھدے! یہ توڑنے کا عمل کیسے ہوگا' اس کو علامہ اقبال نے اپنی اسی نظم کے اگلے شعر میں بیان کیا کہ ۔

باشہ درویشی درساز و دما دم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن!

نبی اکرم ﷺ کی مکی زندگی کا بارہ سالہ دور

اس شعر کے پہلے مصرعہ کی تشریح بن سکتا ہے۔ دعوت و تبلیغ کا کام مسلسل جاری ہے۔ اس عمل دعوت کے دوران میں گالیوں کے جواب میں دعائیں دی جارہی ہیں اور پتھروں کے جواب میں پھول برسائے جارہے ہیں۔ ہمیں مکی دور میں کوئی جوابی کارروائی دکھائی نہیں دیتی۔ اس دعوت کے ساتھ ساتھ تزکیہ کا عمل بھی جاری ہے۔ دن کو دعوت کا کام جاری ہے اور راتیں اللہ کے حضور کھڑے ہوکر گزاری جارہی ہیں۔ سورۂ مزمل میں آتا ہے کہ "ان ربک یعلم انک تقوم ادنی من ثلثی الیل و نصفہ وثلثہ وطائفۃ من الذین معک" یعنی بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات سے (نماز تہجد میں) کھڑے ہوتے ہیں۔

لیکن جب اس دعوت اور تزکیہ کے عمل سے گزر کر پختہ ہوجاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے مدینہ میں ایک Base عطا فرمادیا۔ حضور ﷺ تو طائف گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت میں یثرب کی قسمت کھل گئی تھی۔ طائف سے آپ ﷺ ناکام واپس لوٹے ہیں۔ طائف میں ہی حضور ﷺ پر پتھراؤ ہوا ہے۔ آپ کا جسم اطہر لہولہان ہوگیا۔ آپ کو ایسے ایسے فقرے سننے پڑے کہ جو تیروں کی مانند کلیجے سے پار ہوجانے والے تھے۔ آپ مدینہ تو گئے ہی نہیں ہیں۔

مدینہ میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھڑکی کھلی ہے۔ مدینہ سے خود لوگ چل کر آئے ہیں۔ پہلے سال چھ' دوسرے سال بارہ اور تیسرے سال بہتر لوگ آتے ہیں' جن میں سے ستر مرد اور دو عورتیں تھیں۔ اس کے بعد ہجرت کا مرحلہ آتا ہے اور اس ہجرت کے بعد تصادم شروع ہوتا ہے۔ سیرت مطہرہ میں یہ مرحلہ پختگی کے بعد آیا ہے۔ بقول اقبال۔

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہوجائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو

انقلاب برپا کرنے والے لوگ خود پختہ سیرت و کردار کے مالک ہونے چاہئیں۔ وہ صداقت و امانت کے پیکر ہوں۔ گویا اپنی ذات میں اللہ کے خلیفہ بن چکے ہوں۔ یہ پہلا مرحلہ ہوگا۔ اس کے بعد اس قدر منظم ہوں کہ ایک امیر کے حکم پر حرکت کریں۔ جب انہیں بڑھنے کا حکم دیا جائے تو بڑھیں اور جب رک جانے کا حکم ملے تو رک جائیں۔ اس کے بعد تصادم کا مرحلہ آتا ہے۔ (جاری ہے...)

نامے میرے نام...

مکرمی و محترمی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب'
و جناب ایڈیٹر صاحب "ندائے خلافت" لاہور
السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے۔

"ندائے خلافت" کا ۲۳ تا ۲۹ / اگست ۱۹۹۴ء کا شمارہ اس وقت زیر نظر ہے۔ بڑی محنت کی ہے آپ نے۔ خاص طور پر مجھے آپ کا اداریہ بہت پسند آیا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال کو آپ نے صحیح ٹوکا ہے' وہ یقیناً اس کے مستحق ہیں۔ اسی طرح "عالمی خلافت کانفرنس" کی رپورٹ بھی دلچسپ تھی۔ تاہم ایک بات جس نے مجھے صدمہ پہنچایا ہے اور جس نے آپ حضرات کے اندر کے نفاق کو بری طرح بے نقاب کیا ہے وہ یہ ہے کہ دعویٰ تو آپ خلافت کی بحالی کا لے کر اٹھے ہیں' لیکن آپ میں ادب و احترام کا فقدان ہے۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ ۲۹ / اگست کے اس شمارے میں آپ نے عالمی خلافت کانفرنس کے اسٹیج کا جو منظر شائع کیا ہے' اس میں لوگ اوپر بیٹھے ہوئے ہیں اور کلمہ طیبہ نیچے ہے۔ بہت نیچے۔ پاؤں کی سطح سے بھی بہت نیچے۔ میں نے ہر ممکن تاویل کی کوشش کی' لیکن مطمئن نہیں ہو سکا۔ اس لئے یہ خط آپ کی خدمت میں ارسال ہے کہ آپ جلد از جلد اپنے رب سے اس تقصیر کی معافی کے خواستگار ہوں۔ یہ آپ کا اور آپ کے رب کا معاملہ ہے۔ تاہم تصویر اپنے پرچے میں شائع کرنے پر پوری قوم سے بھی معافی مانگیں۔ اس لئے کہ سب لوگوں کی دل آزادی ہوئی ہے۔

مجھے امید ہے کہ آپ وسط ستمبر ۱۹۹۴ء تک اپنے پرچے میں معذرت شائع کر دیں گے۔ تاہم اگر آپ نے معذرت شائع نہیں کی تو پھر میں پاکستان کی رائے عامہ تک یہ بات پہنچانے پر خود کو مجبور پاؤں گا۔ آپ کی عظمت اسی میں ہے کہ آپ غیر مشروط معافی مانگ لیں۔ اور آئندہ اس طرح کی کانفرنسوں میں جاتے وقت اس انداز کے اسٹیجوں پر بیٹھنے سے احتراز کریں۔ اور جہاں تک کانفرنس کے منتظمین کا تعلق ہے' انہیں بھی آگاہ کر دیجئے کہ اسلام میں ادب و احترام کا ایک خاص مقام ہے۔ کتابیں تو اسلام پر یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی بہت لکھی ہیں' لیکن وہ ایمان سے محروم ہیں۔ اسی طرح عالمی کانفرنس کے منتظمین خلافت کے احیاء کے دعویدار تو ہیں' لیکن ادب و احترام سے محروم ہیں۔ (حضرت عمرؓ سے بھری محفل میں ایک آدمی نے کرتے کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے جو طرز عمل اختیار کیا' وہ اس بات کا متقاضی ہے کہ آپ یہ خط شائع کریں اور پھر معذرت بھی شائع کریں) اجازت دیجئے --- خدا حافظ

والسلام
مخلص سید مزمل حسین
مقام ڈاکخانہ چمن کوٹ' ضلع باغ۔ آزاد کشمیر

☆ ☆ ☆

☆ آپ کے نوازش نامے کا دوسرا حصہ ہمارے لئے ذاتی تذکیر کی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا ضروری نہیں تھا کہ شائع کیا جائے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی حسن نیت کی توفیق سے نوازے اور آپ کو بھی فکر کی راستی عطا فرمائے۔ آپ نے آخر میں جو "نوٹ" دیا ہے کہ "خط کی نقل محفوظ ہے" اسی طرح "ندائے خلافت" کا متعلقہ حصہ بھی میرے پاس موجود ہے" یہ تو قانونی نوٹس کا سا انداز ہے۔ کیا کسی مقدمے کی تیاری ہے؟۔ ہوئی تو یہ یک طرفہ ہوگی۔ مدیر۔

☆ ☆ ☆

"ندائے خلافت" کا تازہ شمارہ (94-8-29) کل فردوس نظر ہوا۔ عالمی احیائے خلافت کانفرنس منعقدہ لندن کے جستہ جستہ حوالوں اور "حزب التحریر" کے مختصر تعارف کی شمولیت نے اس شمارہ کو خاصہ کی چیز بنا دیا ہے۔ ان چیزوں کو ابھی سرسری طور پر دیکھا۔ البتہ "حدیث امروز" اور اداریہ "خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبت زاغ" کو دو مرتبہ پڑھا۔ دل سے بے ساختہ آپ کے لئے دعا نکلی کہ "اللہ کرے زور قلم اور زیادہ"۔ خاص طور پر اداریہ نے بے حد متاثر کیا۔ آپ نے نہایت ناصحانہ اور ناقدانہ نیز متانت کے ساتھ پسر اقبال کے قول و فعل کے تضادات کی نشان دہی ہی نہیں بلکہ نقاب کشائی کی ہے۔ یہ محاکمہ اور تجزیہ ہر اعتبار سے معقول ہے۔ اس کو "ندائے خلافت" کی زینت تو بننا ہی تھا' کاش اس سے قبل کسی مقبول روزنامہ میں اس کو شائع کرانے کی کوشش کی جاتی تاکہ اس کے افادہ کا حلقہ

وسیع تر ہوتا اور ان "دانشوروں" کے لئے نظر کشا ہوتا جو تضادات فکری و عملی کے طلسم میں گرفتار ہیں۔ "جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا" کے مصداق پس اقبال اور اس نوع کے دانشوران کے قول و فکر اور کردار و عمل کی نہ صرف دینی بلکہ اخلاقی و عقلی لحاظ سے یہ جراحت و تحلیل نفسی ایک درس' ایک پیغام اور ایک نصیحت کی حامل ہے--- اب بھی وقت ہے کہ اس محاکمہ و تجزیہ کو کسی معتبر روزنامے میں شائع کرانے کی کوشش کی جائے۔ زیادہ امکان تو یہی ہے کہ شاید یہ سعی لاحاصل ثابت ہو لیکن مجھے پختہ یقین ہے کہ یہ عمل ان شاء اللہ آپ کے اجر میں اضافہ کا باعث ہوگا۔

"حدیث امروز" اور تازہ شمارے میں شائع شدہ امیر محترم کے چوتھے خطبہ خلافت کی پہلی قسط نیز اس کے اداریہ کے متعلق احقر تنظیم اسلامی پاکستان کے ناظم اعلیٰ کو یہ تجویز بھیج رہا ہے کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو جملہ تنظیموں کے ذمہ داران کو تجویز کریں کہ وہ رفقاء کے اجتماعات میں ان چیزوں کے اجتماعی مطالعہ اور ان پر "مذاکرہ" کا اہتمام کریں۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح برف پگھلنی شروع ہو یا دبی چنگاریاں فروزاں ہوں۔

ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ'
(شیخ) جمیل الرحمٰن (بھولا والے)

۲۰/اگست ۱۹۹۴ء کے روزنامہ "دی نیوز" میں ایک خبر کے مطابق وفاقی وزراء کی خاطر حکومت مزید ۱۴ بنگلوں کی تعمیر پر ۱۹۹ ملین روپے خرچ کرنے کی منظوری دے چکی ہے۔ یہ قیمت زمین کی قیمت (جو کروڑوں میں ہے) کے علاوہ ہے یعنی ان پر صرف تعمیراتی اخراجات ہی بیس کروڑ روپے سے تجاوز کر جائیں گے اور اس بے زبان قوم کا زر کثیر ان محل نما بنگلوں کے مکینوں کی بھینٹ چڑھ جائے گا جو ایوان میں ایسی ایسی بولیاں بولیں گے کہ شرفاء کا سر شرم سے جھک جائے گا اور سپیکر صاحب ایوان کی کارروائی کا ایک معتدبہ حصہ حذف کرانے پر مجبور ہوں گے۔ ع دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر۔

اس پر اکتفا نہیں' ان بنگلوں کی سالانہ مرمت اور دیکھ بھال پر مجموعی رقم کا ڈھائی فی صد اور ہر پانچ سال بعد تزئین و آرائش کے لئے ۱۵ سے ۲۰ فی صد خصوصی الاؤنس دیا جائے گا کہ عوام سے جمع شدہ ٹیکس کا بہترین مصرف یہی تو ٹھہرتا ہے۔ اسی خبر میں بتایا گیا ہے کہ ایک وفاقی وزیر کے لئے کرائے کی رہائش گاہ کے لئے ۔/۱۲۰۰۰ ماہانہ اور وزیر مملکت کے لئے ۔/۱۱۵۰۰ ماہانہ کی منظوری ہے جبکہ کوئی وزیر بھی تیس ہزار روپے ماہانہ سے کم کرائے کے بنگلے میں رہنے کے لئے تیار نہیں' آخر وہ "سرمایہ کاری" کر کے اس منصب تک پہنچے ہیں۔ یہ بھی غیر پیداواری اخراجات کم کرنے کی پر خلوص کوشش کا ایک عملی اظہار ہے!!

اس خبر میں یہ تجزیہ بھی ہے کہ وفاقی بجٹ میں شعبہ تعلیم کے لئے ۳۸۰۰ ملین روپے کی "خطیر" رقم مخصوص ہے جبکہ کابینہ کے سیکریٹریٹ کے بجٹ کے لئے صرف ۳۵۰۰ ملین کی "قلیل" رقم رکھی گئی ہے۔ یہ علم دوستی کا بین ثبوت اور غیر پیداواری اخراجات میں کمی کا ہی حصہ تصور ہونا چاہئے۔ وزراء' اراکین قومی اسمبلی اور سینیٹروں کے لاتعداد غیر ملکی دورے جو ان کے لئے خاصے کامیاب ہوتے ہیں' پیداواری اخراجات کم کرنے میں کافی مددگار ہیں کیونکہ وہ نہ صرف وہاں کثیر زر مبادلہ خرچ کرتے ہیں بلکہ اپنے ذاتی اکاؤنٹ بھی کھول آتے ہیں۔

بدر منیر' ٹاؤن شپ' لاہور

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک اہم تالیف

راہِ نجات

سورۃ العصر کی روشنی میں

جو ایک نہایت وقیع تحریر اور ایک حد درجہ جامع تقریر پر مشتمل ہے'
قیمت اعلیٰ ایڈیشن: ۔/۳۰ روپے (مضبوط و دیدہ زیب جلد' سفید کاغذ)
" اشاعت عام: ۔/۱۰ " (غیر مجلد' دبیز اخباری کاغذ)
شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن'

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان
کی تازہ ترین تالیف

برعظیم پاک و ہند میں

اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل

اور اس سے انحراف کی راہیں

شائع ہو گئی ہے ـــــ جس میں

- اسلام کے ابتدائی انقلابی فکر اور اس میں زوال کی تاریخ کے جائزے کے بعد
- علامہ اقبال کے ذریعے اس کی تجدید اور مولانا آزاد اور مولانا مودودی کے ہاتھوں اس کی تعمیل کی مساعی اور ان کے حاصل' اور
- "اسلام کی نشأۃ ثانیہ میں ناگزیر تدریج اور اس کے تقاضوں" کے علاوہ
- اس فکر سے انحراف کی بعض صورتوں پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے ـــــ!

سفید کاغذ پر ۱۰۴ صفحات' مع دیدہ زیب آرڈکور ـــ قیمت فی نسخہ ۔/۳۰

جناب شمس الحق اعوان کا دورۂ جہلم

ناظم حلقہ شمالی پنجاب جناب شمس الحق اعوان نے ۳۰/اگست کو جہلم کے نومنتخب عہدیداران تحریک خلافت کے ساتھ ایک تعارفی ملاقات کی۔ ان کے ساتھ سیکریٹری تحریک خلافت راولپنڈی جناب ریاض حسین بھی تھے۔ محترم شمس الحق صاحب نے نومنتخب عہدیداران کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا نیز انہیں بتایا کہ تحریک خلافت کے پیغام کو کس طرح عام کیا جائے۔ اس کے علاوہ جہلم شہر کے لئے تحریکی مسائل پر بھی گفتگو کی اور ان کے حل کے لئے عہدیداران کو مفید مشورے دیئے۔ محترم ناظم حلقہ نے جہلم شہر میں دفتر کا قیام' لٹریچر کی فراہمی نیز جلسہ خلافت کے انعقاد کے حوالے سے بھی عہدیداران سے صلاح مشورہ کیا۔ اس موقع پر تحریک خلافت جہلم کے ضلعی ناظم وسیم تبریز صاحب' نائب ناظم ناصرالرحمٰن صاحب' سیکریٹری شکیل زمان بٹ صاحب' سیکریٹری نشرواشاعت تنویر احمد صاحب اور سیکریٹری مالیات جناب محمد حسین نے شرکت کی۔ اس کے علاوہ تحریک خلافت کے دوسرے معاونین بھی موجود تھے۔

شمالی علاقہ جات کا دس روزہ دعوتی دورہ

۱۱ سے ۲۰/ اگست تک شمالی علاقہ جات کا دس روزہ دعوتی دورہ راولپنڈی و اسلام آباد کے رفقاء اور

○

تحریک خلافت کی سرگرمیوں کی مفصل رپورٹیں اب آپ "ندائے خلافت" کے اخباری ایڈیشن میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ موصولہ رپورٹوں سے اخذ کردہ مختصر خبریں یہاں پیش خدمت ہیں..... ادارہ

○

معاونین نے محترم غلام مرتضیٰ اعوان کی زیر امارت کیا۔ اس سے پہلے کوہستانی علاقوں میں کئی ایک دعوتی اسفار تحریک خلافت راولپنڈی کے ساتھیوں نے کئے ہیں۔ ان دعوتی دوروں کے نتیجے میں بہت سے لوگ تحریک خلافت کے معاون بن چکے ہیں۔ پہلے دوروں کی طرح یہ دورہ بھی انتہائی مفید رہا اور بلاشبہ سینکڑوں لوگوں نے تحریک خلافت کی آواز پر لبیک کہی ہے۔

راولپنڈی میں قاہرہ کانفرنس کے خلاف مظاہرہ

تنظیم اسلامی پاکستان و تحریک خلافت پاکستان نے لاہور کی طرح راولپنڈی میں بھی قاہرہ میں منعقد ہونے والی "بہبود آبادی کانفرنس" میں پاکستان کی

○

تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر

——— اکبر الہ آبادی مرحوم

شرکت کے خلاف ایک بھرپور مظاہرہ کیا۔ یہ مظاہرہ ۳ ستمبر ۹۴ء کو منعقد ہوا۔ اس مظاہرے کا روٹ تنظیم اسلامی کے دفتر واقع مری روڈ حسنین مارکیٹ سے شروع ہو کر مرزا چوک سے ہوتا ہوا صدر میں واقع نوائے وقت کے دفتر تک تھا۔ مظاہرین نے بینر اور پٹی بورڈ اٹھا رکھے تھے جن کے ذریعے قاہرہ کانفرنس کے ایجنڈے کے اہم نکات کو واضح کیا گیا تھا۔ مظاہرے کے اختتام پر ناظم حلقہ جناب شمس الحق اعوان نے خطاب فرمایا۔ اس خطاب کے ساتھ ہی یہ پرامن احتجاجی مظاہرہ ختم ہوا۔ اگلے روز کے تقریباً تمام اخبارات نے اس مظاہرے کی تصویری جھلکیوں کے ساتھ خبریں لگائیں۔

کراچی میں قاہرہ کانفرنس کے خلاف مظاہرہ

تحریک خلافت پاکستان و تنظیم اسلامی پاکستان نے لاہور اور راولپنڈی کے علاوہ دوسرے شہروں میں بھی قاہرہ میں منعقد ہونے والی "بہبود آبادی کانفرنس" کے خلاف احتجاجی مظاہرے کئے۔ چنانچہ اسی طرح کا ایک مظاہرہ کراچی کے رفقاء و معاونین نے بھی کیا۔ یہ مظاہرہ چار ستمبر ۹۴ء کو نماز عصر کے بعد منعقد ہوا۔ رفقاء و معاونین شاہین کمپلیکس کے چوراہے کے گرد پلے کارڈ لے کر کھڑے ہو گئے' جس میں اس کانفرنس کے انعقاد پر اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا۔ مظاہرے کے اختتام پر ناظم حلقہ سندھ و بلوچستان جناب سید نسیم الدین نے مختصر لیکن فکر انگیز خطاب فرمایا۔ اس کے ساتھ ہی یہ مظاہرہ اختتام پذیر ہوا۔

قاہرہ کانفرنس کے خلاف مری روڈ راولپنڈی پر تنظیم اسلامی کا مظاہرہ..... فوٹو نگ راولپنڈی ۴/ ستمبر ۹۴ء

حزب التحریر، مسلم میڈیا اور فکرِ تازہ کی لہر جو نظر انداز کی جا رہی ہے

اقتدار احمد

احیائے اسلام کی تحریکوں میں ربطِ باہم پیدا کیجئے

لندن کے مؤقر جریدے "امپیکٹ انٹرنیشنل" کے رپورتاژ پر ایک تاثر

ندائے خلافت کے گزشتہ دو شماروں میں ہم نے مسلم تنظیم وحدت (Muslim Unity Organisation) کی طرف سے جس میں اصل غالب و کارفرما قوت "حزب التحریر" کی ہے، ۷/اگست کو ویمبلے ایرینا لندن میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی مسلم خلافت کانفرنس پر ایک تو اپنے وہ فوری تاثرات پیش کئے جو لندن کے اخبارات، ریڈیو اور ٹی وی اور سی این این جیسے عالمی ذرائع ابلاغ پر اس کی تشہیر نے ہم پر مرتب کئے تھے۔ دوسرے درجے پر ہمارے ان ساتھیوں کی رپورٹ آئی جو کانفرنس کا نقشہ خود دیکھ کر آئے تھے اور فیصلہ کن تبصرہ وہ تھا جو امیرِ تنظیم اسلامی و داعیٔ تحریکِ خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے پاکستان واپسی کے بعد اپنے تین خطباتِ جمعہ میں مکمل کیا۔ اس خطبے کے صرف پہلے حصے کا بھی پریس ریلیز ہی ہمارے ہاں جگہ پا سکا تھا جبکہ پہلے دو خطبات میں موضوع سے متعلق ان کی تقریباً پوری بات بھی ہمارے ہاں نہیں، ماہنامہ "میثاق" کے شمارہ ستمبر ۱۹۹۴ء میں آئی ہے اور آخری لیکن بہت مختصر حصہ تاحال وہاں بھی اشاعت کا منتظر ہے۔

ہمارے ہاں مطبوعہ مواد کا سرسری سا ایک جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ :

☆ حزب التحریر کے بنیادی فکر، لائحۂ عمل اور اب تک کی عملی کارکردگی سے قطع نظر ہمارے نزدیک اس کانفرنس نے دنیا میں کسی بھی جگہ احیائے اسلام کے لئے کام کرنے والوں کا لہو تو ایک بار ضرور گرما دیا۔ لہو گرم رکھنے کے ایسے بہانے ہمیں تواتر سے ملتے رہیں تو غنیمت ہیں جو جذبِ دروں پر رنگ جماتے زنگ کو ذرا تو صیقل کر دیں، جوشِ عمل پر سایہ فگن افسردگی کے بادلوں میں برق کی کوئی تو لہر دوڑا دیں اور داعیاتِ کار پر کاہلی و کم کوشی کی جمتی برف کو کچھ تو پگھلائیں وگرنہ تو صورتِ حال کم از کم کارکنوں کی حد تک بالعموم یہ ہے کہ۔

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی! کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

☆ ہم نے محسوس کیا تھا اور اپنے اس احساس کا اظہار بھی کیا کہ حزب التحریر نے اپنی منزلِ مراد کو ایک نام تو دے دیا ہے اور یہ نام ہے بھی وہی جسے سن کر ہمارے دلوں کی دھڑکنیں بھی تیز ہو جاتی ہیں لیکن اس تک پہنچنے کے راستے کی نشاندہی نہیں کی اور اپنے تئیں کی بھی ہے تو وہ نہ صرف نامکمل اور اس صاف صراطِ مستقیم سے خاصا ہی مختلف ہے جس کا سراغ کتاب و سنت اور سیرتِ مطہرہؐ سے ملتا ہے بلکہ بڑی حد تک پُراسرار بھی ہے تاہم یہ توقع رکھی اور دعا بھی کی کہ افہام و تفہیم کے موثر مواقع ملتے رہے اور مقصد کی لگن میں کمی نہ آئی تو ان شاء اللہ یہ قافلہ ایک نہ ایک دن اسی راہ پر گامزن نظر آئے گا جس کے نشانات ہم لوگ اپنے قائد کی قرآنی بصیرت اور منہجِ انقلابِ نبویؐ کے معروضی مطالعے کی بدولت بفضلِ تعالیٰ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے جو مختصر رابطے امریکہ میں حزب التحریر کے کارکنوں سے قائم ہوئے تھے (ان کی قیادت دیارِ عرب میں کہیں زیرِ زمیں ہے، نظم کی تفصیل نامعلوم اور یہ بھی پتہ نہیں کہ درجہ بندی یعنی Cadre کا نقشہ کیا ہے)۔ ان میں اس امید نے کچھ تقویت بھی پکڑی۔ خیال تھا کہ لندن کانفرنس میں ہمارے قائد کو خصوصی خطاب کا موقع دے کر درحقیقت ہمارے فکر کی قبولیت کی راہ ہموار کی جا رہی ہے۔ افسوس کہ اس کے آثار نظر نہ آئے۔

☆ بایں ہمہ مایوس ہم نہیں ہیں اور جب تک ہدف ایک ہے، یہ امکان معدوم نہیں ہوگا کہ اس کی جانب بڑھتے ہوئے دونوں خطوط جیومیٹری کے اصول کے مطابق قریب ہوتے چلے جائیں اور آخرکار ہاتھوں میں ہاتھ بھی ڈال دینے کی نوبت آجائے۔ اس سعادت سے محرومی تک بھی یہ تو ضرور ہوگا کہ "تعاونوا علی البر والتقویٰ" کے قرآنی حکم کی تعمیل میں اشتراکِ عمل کی آخری حدوں تک جا کر دیکھا جائے۔

"ندائے خلافت" کی حد تک تو ہم اسی قدر وضاحت کے مکلف ہیں۔ معاملے کی کنہ تک پہنچنے کے خواہشمند ماہنامہ میثاق کا متعلقہ حصہ پڑھ لیں۔ دیکھنا ہمیں اس وقت یہ ہے کہ احیائے اسلام کے مقامی (لندنی) حلقے میں بین الاقوامی مسلم خلافت کانفرنس نے کیا تاثر یا ردِ عمل چھوڑا ہے اور اس سلسلے میں موجودہ فرصت میں ہمارا انحصار ماہنامہ "امپیکٹ انٹرنیشنل" کے رپورتاژ پر ہے جو اس کے تازہ ترین شمارے (ستمبر ۹۴ء) میں شائع ہوا۔ انگلستان جا کر بس جانے والے مسلمانوں کا یہ جریدہ اب خاصا پرانا ہو چکا ہے۔ اس کے صوری و معنوی محاسن میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور اس کی سوچ کا افق وسیع ہو کر پورے عالمِ اسلام کو اپنے محیط میں لیتا نظر آتا ہے۔ "ندائے خلافت" اس کے خوشہ چینوں میں شامل ہے اور اسے پھلتے پھولتے دیکھ کر ہمارا خون چلووں بڑھتا ہے۔ بایں ہمہ اس موقر جریدے کے مختصر تعارف کے بغیر "امپیکٹ" کی رپورٹ سے درست نتائج اخذ کرنا آسان نہ ہوگا۔

وقت گزرنے کے ساتھ عالمِ عرب سے آکر مغرب میں اپنے ٹھکانے بنا لینے والے وہ مسلمان بھی اگرچہ اس کے لکھنے والوں اور اسے پڑھنے والوں میں شامل ہوتے جا رہے ہیں جنہوں نے الاخوان المسلمون جیسی احیائی تحریکوں کے زیرِ اثر اپنے دلوں میں دین کا درد کسی بھی درجے میں پال رکھا تھا تاہم اس موقر جریدے کی اشاعت کا آغاز کرنے اور آج بھی اس کی اصل روحِ رواں بنے رہنے والے حضرات کی غالب اکثریت برصغیر کی جماعت اسلامی کے انقلابی تصورِ

اقامتِ دین سے ذہنی وابستگی رکھنے والوں پر مشتمل ہے اور ایسے ہی حضرات و خواتین "اسپیکٹ" کے حلقۂ اشاعت کی جان Hard-core ہیں۔ اب یہ تو ایک بہت تفصیل طلب بحث ہے کہ جماعت اسلامی کے اس انقلابی فکر کے پُل کے نیچے سے خود برصغیر (پاکستان' بھارت' بنگلہ دیش اور کشمیر) میں کتنا پانی بہہ چکا اور یہ کہ عشقِ بلاخیز کا وہ قافلۂ سخت جاں اب کس منزل پہ اور کون سی وادی میں ہے کیونکہ اس پر گفتگو ہمیں موضوع سے بہت دور لے جائے گی تاہم کوئی بھی واقفِ حال اور حقیقت پسند شخص ہمارے اس خیال سے اختلاف نہیں کرے گا جو صرف تاثرات پر نہیں بلکہ مشاہدات پر مبنی ہے کہ مغرب میں مقیم ان حاملینِ فکرِ اقامتِ دین اور انصارِ جماعت اسلامی کی عظیم اکثریت نے اقامتِ دین کی عملی جدوجہد سے کنارہ کش ہو کر "کیجئے نظارا دور دور سے" کی سی روش اپنائی اور دین کے انقلابی تصور سے اپنی فعال وابستگی کو ذہنی اور دانشورانہ "تگ ودو" یعنی Intellctual activity تک محدود کرلیا ہے۔

اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین و حضرات کا یہ طبقہ دنیاوی اعتبار سے مرفہ الحال بھی ہے اور پہلے سے مغرب زدہ عربوں کی دیکھا دیکھی بھی اور مقامی ماحول کے زیر اثر اپنی بود و باش میں روز بروز زیادہ روشن خیال یعنی "لبرل" بھی ہوتا جا رہا ہے اور نظر آتا ہے کہ اس طبقے کی تحریکیت جو "کلچر" تو تقریباً بن ہی چکی ہے' کچھ اور وقت گزرنے پر بس ایک "فیشن" ہو کر رہ جائے گی۔ ضرورت ہے کہ انہی میں سے اللہ تعالیٰ کچھ شاہینوں کو اپنے بال و پر جھاڑ کر پھر سے بلند پروازی کی توفیق دے' انہی کے چند نوجوانوں کے عزائم سینوں میں بیدار کردے اور یہ خود ہی محسوس کرلیں کہ اعلیٰ معیار کی زندگی گزارتے ہوئے دین کے لئے انہیں از سرِ نو بہت اونچی سطح سے کام کی نیو اٹھانے کی غرض سے کمر ہمت کس لینی ہوگی تاکہ کلچرل اور فیشنی مسلمانوں کو خود ہی گھیر گھار کر واپس لائیں' reclaim کریں۔ یہ داخلی کوشش مؤثر بھی زیادہ ہوگی۔ ورنہ پھر یہ فرض ہمارا ہے کہ اس قیمتی اثاثے کو اپنی قدر و قیمت پوری طرح کھو دینے سے پہلے پہلے احساسِ فرض کی دولت سے مالا مال کردیں' ان کے ڈگمگاتے قدموں کو فکرِ قرآنی کے اسی آبِ نشاط انگیز کے ذریعے ثبات و استقامت دیں جس نے خود ہمیں ایک مضبوط کھونٹے' عروۃ الوثقیٰ کے ساتھ باندھ کر ذہنی و عملی انتشار سے بڑی حد تک محفوظ رکھا ہوا ہے۔ مزا تو تب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی۔

اس پس منظر میں دیکھیں تو ظاہر ہے کہ حزب التحریر جیسی جماعت اور بین الاقوامی مسلم خلافت کانفرنس کی نوع کی ہنگامہ آرائی تو "اسپیکٹ انٹرنیشنل" کے تجزیہ نگار (وقائع نگار بھی کہہ سکتے ہیں) کو خوش آ ہی نہیں سکتی تھی تاہم عجیب بات یہ ہے کہ کانفرنس کی خود تجزیہ نگار کی طرف سے حاصل قرار دی جانے والی تقریر میں سے بھی اس کا مغز نکال کر الگ پھینک دیا گیا۔ اس کی کئی اچھی باتوں کا ذکر تو ملتا ہے لیکن اس اصل سوال کا جو مثبت جواب دیا گیا کہ خلافت قائم کیسے ہوگی' اس کی طرف اشارہ تک موجود نہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ اسے ہم غیر شعوری فروگزاشت قرار نہیں دے سکتے۔ ہمارا خیال تو یہ ہے (جو کاش کہ غلط ہو) کہ ڈاکٹر اسرار احمد کے اصل پیغام کو جان بوجھ کر اپنے قارئین کی رسائی میں آنے سے روکا گیا ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ کانفرنس کے منتظمین سے تو وقائع نگار کو شکایت ہے کہ جب ڈاکٹر صاحب موصوف اپنے اصل موضوع کی طرف آئے تو ذمہ دار لوگ پریس کانفرنس کا بہانہ بنا کر سٹیج تک سے بھی اٹھ گئے تاکہ ان کے خیالات کو کسی بھی درجے میں کانفرنس کا سرکاری موقف نہ سمجھ لیا جائے لیکن خود انہوں نے اس کی شرح کیا' خلاصہ بھی بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ لاہور کی مرکزی انجمن اور پاکستان کے متعدد بڑے شہروں کے بعد اب مغرب میں بھی بعض اہم مقامات key points پر قائم ہونے والی انجمن ہائے خدام القرآن' خاصی پرانی تنظیم اسلامی اور تازہ دم تحریکِ خلافت پاکستان کے پلیٹ فارموں سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی طرف سے پیش کردہ باہم مربوط و مرتب اور اپنے مفہوم میں ایک مثبت تسلسل رکھنے والے پیغام کی بازگشت تک بھی تاحال اس حلقہ میں کیوں نہ پہنچ پائی جو عالمِ اسلام کو "اسپیکٹ" کی عینک سے دیکھنے کا عادی ہوگیا ہے۔ اس کی نشر و اشاعت روکنے کی جان بوجھ کر تو کوشش نہیں کی گئی؟۔ آخر کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید کی طرف رجوع کی لگن گرج رکھنے والی دعوت (اور یہی کیا' محض "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" نامی کتابچے ہی کا عالمی سطح پر حیرت و استعجاب کے ساتھ بے مثال استقبال)' فرائضِ دینی کے جامع تصور جیسے خزانے کا قلمی نقشہ' تقربِ الٰہی بالفرائض و بالنوافل میں فرق و تفاوت اور نسبت و تناسب' ایک دینی تحریک کے شجرۂ طیبہ کی اناٹومی اور بالخصوص اسلامی انقلاب کے ان مراحل کی اسی ترتیب سے تشریح جن سے گزرتے ہوئے محسنِ انسانیت ﷺ نے جھوٹے خداؤں کا تختہ الٹ کر نسلِ انسانی کو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا سایۂ رحمت فراہم کر کے دکھایا تھا' ایسی باتیں ہیں جو "اسپیکٹ" اور متاثرینِ جماعت اسلامی کے حلقے میں اب تک اجنبی سی لگتی ہیں جبکہ اس سوال کا کافی و شافی جواب صرف ڈاکٹر اسرار احمد کی طرف سے آیا ہے' کہ بحالاتِ موجودہ اسلامی انقلاب کا وہ آخری مرحلہ کیسے طے ہوگا جس کا نتیجہ تخت یا تختہ ہوتا ہے۔ اس پر مستزاد خلافت کے قیام کے پروگرام کے ساتھ اس میں اصولِ دین کی قربانی دیئے بغیر عصری تقاضوں کو سمونے کے بارے میں خالص عملی pragmatic and down to earth تجاویز بھی صرف انہوں نے پیش کی ہیں۔

اخوان تو اب اس راہ کے راہی رہے ہی نہیں' جماعت اسلامی انتخابی سیاست کی دلدل میں دھنس کر اور اب بدنامِ زمانہ "جہادی" سرگرمیوں کے مالی سکنڈلوں میں پھنس کر رہ گئی' مصر کی الجماعۃ الاسلامیہ تشدد کا راستہ اختیار کرکے ریاستی جبر و استبداد کو "آ بیل مجھے مار" کہہ بیٹھی' الجزائر کی بپھری ہوئی قوت کا نتیجہ خیز استعمال کم اور ضیاع زیادہ ہو رہا ہے اور حزب التحریر کی قیادت (؟) اس اہم سوال کا جواب جن اشاروں کنایوں میں دیتی ہے ان سے خونِ شہادت کی مہک نہیں' سازشی پخت و پز کی بُو آتی ہے۔ ہم سخن فہم ہیں' غالب کے طرفدار نہیں--- اور طرفدار ہوں تب بھی کوئی بتائے تو سہی کہ اتنی ڈھیر ساری' اہم اور بنیادی باتیں صاف صاف بلکہ حسابی انداز میں کس نے کہی ہیں؟--- اس شخص نے جس کا نام ڈاکٹر اسرار احمد ہے اور جو اپنے آپ کو مولانا مودودی مرحوم ہی کا احسان مند اور انہیں کی تحریکِ اقامتِ دین کا تسلسل سمجھتا ہے اور علیٰ رؤوس الاشہاد اس اس کا اعلان و اعتراف بھی کرتا ہے۔ حکمت کا یہ خزانہ کیا محض اس بنا پر تالے میں بند رکھنے کی کوشش ہو رہی ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد اس "قبضہ گروپ" کو پسند نہیں جس کے زیر اثر جماعت اسلامی کی موجودہ پیشتِ اجتماعی اور متاثرینِ جماعت کے اس کلچرل رجحان کی افزائش ہوئی ہے جس میں میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھو تھو ہوتا ہے' ہو رہا ہے اور روز بروز اس کا ہونا بڑھتا چلا جاتا ہے۔

اس تمہیدِ طولانی کے ابتدائی حصے سے ہی ہمارے

قارئین نے سمجھ لیا ہوگا کہ "اسپیکٹ انٹرنیشنل" کو خلافت کانفرنس پر بحیثیت مجموعی ناپسندیدگی کا تاثر ہی دینا چاہئے تھا' سو وہ اس نے کیا۔ اب اس تجزیہ یا رپورتاژ کے جستہ جستہ حصے دیکھئے جو زیر بحث ہے۔ ہم متن کے ساتھ رواں ترجمے کا اہتمام بھی کر رہے ہیں :

Abdullah Kapich from Sarajevo spoke about the history of Islam in Bosnia, and the aggression they were facing in Bosnia-Herzegovina. The next speaker, an unnamed Saudi exile, didn't turn up either. It was then for Abu Talha to give a long discourse about the necessity of an international Islamic state, Khilafah.

Abu Talha talked about the necessity of getting rid of the present Muslim rulers and for Muslims to unite in order to establish Khilafah. (The conference issue of HT's magazine *Khilafah*, took an opposite view, however. 'Unity - Khilafah is the only way', it said.) In any case, he concluded on the note that the Khilafah was imminent. But the following speaker, Dr Israr Ahmad, appeared to be more realistic.

ترجمہ : "سرایوو سے جناب عبداللہ کاپش نے بوسنیا میں اسلام کی تاریخ اور بوسنیا ہرزیگوینا کو درپیش جارحیت کا ذکر کیا۔ اگلے مقرر جو ایک جلاوطن سعودی تھے اور اسی لئے ان کے نام کا اعلان نہ ہوا' سامنے ہی نہ آئے۔ اس کے بعد جناب ابوطلحہ کی باری تھی کہ خلافت کے زیر عنوان واحد بین الاقوامی اسلامی ریاست کے قیام پر مفصل گفتگو کریں لیکن بات انہوں نے موجودہ مسلم حکمرانوں سے نجات حاصل کرکے قیام خلافت کے لئے مسلمانانِ عالم کو متحد کرنے کی ضرورت پر کی۔ (جبکہ حزب التحریر کے ترجمان جریدے "الخلافہ" کی کانفرنس کی مناسبت سے خصوصی اشاعت میں اس سے متضاد موقف اختیار کیا گیا تھا۔ اس میں بہرحال یہ ضرور کہا گیا تھا کہ "خلافت اتحاد بین المسلمین کا واحد ذریعہ ہے")۔ بہرصورت انہوں نے تو اس یقین کے اظہار پر اپنی گفتگو ختم کی کہ خلافت قائم تو ہوکر رہے گی تاہم اگلے مقرر ڈاکٹر اسرار احمد زیادہ حقیقت پسند نکلے۔"

Dr Israr Ahmed is Amir of Tanzeem-e-Islami Pakistan and he seemed to be the only speaker who had both stature and credibility. A forceful speaker and a prolific writer, he has been leading, independently of HT, a movement to re-establish the Khilafah system of government. He had been invited to speak for an hour, but was told to conclude in half an hour.

Dr Israr referred to the Sources, the Qur'an and Sunnah, to explain that re-establishing Khilafah was incumbent upon Muslims but, he emphasised, it can be done only by following the methodology of the Prophet (peace and blessings of Allah on him). 'Only if we become a true *Momin*', cultivate true *Iman* in Allah and His Messenger (peace and blessings of Allah on him), study his life and his way and try to follow him in all respects. Dr Israr puts emphasis on *Iman*, HT emphasises *Aqeedah*, which, Dr Israr says, is not a Qur'anic term.

ترجمہ : "ڈاکٹر اسرار احمد پاکستان کی تنظیم اسلامی کے امیر ہیں اور وہ (اس کانفرنس کے) واحد مقرر نکلے جو قدوقامت کے علاوہ داخلی وثوق و اعتماد بھی رکھتے ہیں۔ خطابت کا جادو جگانے والے اور نتیجہ خیز تحریریں لکھنے والے یہ صاحب حزب التحریر سے علیحدہ اپنے طور پر بھی نظامِ خلافت کی طرز پر قیامِ حکومت کی ایک تحریک کی قیادت کر رہے ہیں۔ انہیں تقریر کے لئے ایک گھنٹے کا وقت دیا گیا تھا لیکن پھر آدھے گھنٹے میں بات ختم کرنے کو کہا گیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے ہدایت کے سرچشموں' قرآن و سنت کے حوالوں سے واضح کیا کہ احیائے نظامِ خلافت مسلمانوں کا فرضِ منصبی ہے لیکن ساتھ ہی اس بات پر زور بھی دیا کہ اس کے لئے ہمیں وہی نہج اختیار کرنا ہوگا جو خود رسول اللہ ﷺ نے اختیار فرمایا تھا۔ انہوں نے کہا کہ "یہ ہوگا صرف اس صورت میں کہ ہم سچے مومن بنیں' اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر یقینِ کامل جیسا مضبوط ایمان پیدا کریں' سیرتِ مطہرہؐ سے اپنی انقلابی جدوجہد کے نقوش اخذ کریں اور سیرت و منہجِ نبویؐ کی ہر پہلو سے پیروی کریں۔ ڈاکٹر اسرار کا اصل زور ایمان پر تھا جبکہ حزب التحریر کا اصرار عقیدے پر ہے جو بقول ڈاکٹر اسرار قرآنی اصطلاح ہے ہی نہیں"۔

Dr Israr thinks 'the task of Islamic resurgence and revitalisation of the Islamic Ummah will not be completed in a short span of ten or 20 years, but will be accomplished gradually after overcoming many difficulties and obstacles'. Khilafah will start from one place and will then reach out to other parts of the world, he said. Hizbut-Tahrir is vague though about its modality for establishing non-territorial Khilafah.

ترجمہ : ڈاکٹر اسرار صاحب نے خیال ظاہر کیا کہ احیائے اسلام اور امتِ مسلمہ کی نشاۃِ ثانیہ دس بیس برسوں کے مختصر دورانیئے میں مکمل ہونے والی چیزیں نہیں۔ یہ عمل تو بہت سی دشواریوں اور رکاوٹوں کو عبور کرتا ہوا درجہ بدرجہ تکمیل تک پہنچے گا۔ ڈاکٹر اسرار صاحب نے تو یہ کہا کہ خلافت کا آغاز کسی ایک جگہ سے ہوگا اور پھر یہ دنیا کے دوسرے حصوں تک وسیع ہوتی چلی جائے گی اور حزب التحریر کی علاقائی حدود سے ماورا خلافت کے قیام کا کوئی واضح لائحہ عمل سامنے ہے بھی نہیں"

Dr Israr also counselled against any combative approach, but while he was still speaking, his chief hosts, Omar Bakri Muhammad, the Amir of Hizbut-Tahrir and his deputy Farid Qasim, left the podium. It was only after the next speaker, Jamal Harwood, a Canadian who had come to Hizbut-Tahrir in the 1980s, had made a casual remark ('You would have noticed that Bakri and Farid are not on the stage. They have gone to meet the press'.) that pressmen carefully seated away from each other in different areas of the conference arena had to scramble to rush to Avon Hall where press conference had already begun.

ترجمہ : "ڈاکٹر اسرار صاحب نے ہتھیار اٹھالینے یعنی مسلح مزاحمت کے پروگرام کو بھی خلافِ مصلحت قرار دیا لیکن اسی دوران میں جب ان کی گفتگو کا یہ حصہ ہنوز جاری تھا' ان کے اصل میزبان یعنی حزب التحری کے (مقامی) امیر عمر باقری محمد اور ان کے نائب فرید قاسم سٹیج سے اٹھ گئے جس کی کوئی وضاحت بھی اس وقت تک سامنے نہ آسکی جب تک اگلے مقرر جمال ہاروڈ نے بھی محض بر سبیلِ تذکرہ ہی بس اتنی سی بات نہ کہی کہ "آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ جناب باقری اور فرید سٹیج پر موجود نہیں' انہیں اخبار نویسوں سے ملاقات کے لئے جانا پڑا ہے"۔ کینیڈا سے نسلی تعلق رکھنے والے نومسلم جمال ہاروڈ کو جو ۱۹۸۰ء سے حزب التحریر میں ہیں' یہ کہنے کی ضرورت بھی اس لئے پیش آئی تھی کہ اخباری رپورٹر جو کانفرنس ایریا کے مختلف حصوں میں باقاعدہ تقسیم ہوکر الگ الگ بیٹھے ہوئے تھے' بے ترتیبی سے ایون ہال کی طرف لپکتے نظر آئے جہاں پریس کانفرنس کا آغاز پہلے ہی ہوچکا تھا"۔

ہم نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تقریر کا ویڈیو کیسٹ دیکھا ہے۔ کانفرنس کے منتظمین نے تو سخت زیادتی کی کہ ایک ایسے مقرر کو نہ بولنے کا پورا موقع دیا نہ توجہ سے سنا جسے حامی و مخالف میڈیا نے یکساں اتفاقِ رائے سے کانفرنس کا واحد قابلِ ذکر' کوئی واضح پیغام رکھنے والا اور اس کے ابلاغ کی صلاحیت سے پوری

طرح بہرہ مند مقرر قرار دیا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب موصوف کی خداداد اہلیت بروئے کار آئی اور مختصر ترین وقت میں بھی انہوں نے "وما علینا الا البلاغ المبین" کا حق ادا کر دیا۔ حزب التحریر کی اس حرماں نصیبی پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے لیکن کیا "اسپیکٹ انٹرنیشنل" کو بھی اتنے وسائل میسر نہ تھے کہ ڈاکٹر صاحب کی دانشمندانہ اور ناصحانہ گفتگو کا ایک خلاصہ ہی اس رپورتاژ میں یا علیحدہ سے ایک دو صفحات میں شائع کر دیتا؟۔ حزب التحریر کی منتشر خیالی' فکری بے مائیگی اور لائحۂ عمل پر ابہام کی نشاندہی اور اس پر مایوسی کے اظہار کے بعد تو وقائع نگار کو اس بات کی ضرورت زیادہ شدت سے محسوس ہونی چاہئے تھی کہ ڈاکٹر اسرار احمد کے صغریٰ کبریٰ کو پورا شائع کیا جاتا تاکہ جو مثبت نتائج انہوں نے اپنے دلائل سے اخذ کئے اور جن میں سامعین نے بھی گہری دلچسپی کا اظہار کیا' وہ "اسپیکٹ" کے حلقۂ قارئین میں بھی پہنچ جاتے۔

پریس کو اب ریاست کا چوتھا ستون قرار دیا جاتا ہے۔ یہ خیال کس حد تک درست ہے اور یہ ستون بس نام کا کھمبا ہی ہے اور محض گنتی میں چوتھے نمبر پر آتا ہے یا واقعی کوئی مؤثر کردار ادا بھی کر رہا ہے' اس بحث میں پڑے بغیر ہم سمجھتے ہیں کہ احیائے اسلام کی تحریکوں اور تجدید دین کی مساعی کو تو ضرور ہی ابلاغ کے ہر اس ذریعے کو غنیمت سمجھنا چاہئے جو اسلام کی "غربت" کے اس زمانے میں دین سے محض جذباتی نہیں' کسی حد تک عملی وابستگی رکھنے والے مسلمانوں کو میسر ہے۔ اپنے اپنے مخصوص حلقوں میں تو ہر تحریک اور ہر جماعت کی کم از کم صف دوم کی لیکن عملی طور پر مؤثر قیادت خود کو عقلِ کل سمجھتی اور اپنے ہی نظریات کو حرفِ آخر کے طور پر پیش کرتی ہے اور اس کا ایک جواز بھی ہے۔ اپنے نظریات پر اس درجے کا اعتماد موجود نہ ہو تو اس کی طرف دعوت دینے اور نشرواشاعت کے کام میں جوش اور جذبے کا فقدان رہتا ہے۔ گویا علیحدہ علیحدہ خاص ان کے ترجمان رسائل و جرائد اگر اپنی ڈفلی پر اپنا ہی راگ الاپتے رہیں تو یہ کچھ بہت قابل اعتراض رویہ نہیں کیونکہ بالآخر یہ سب مل جل کر اسی ایک نغمے میں ڈھل جائیں گے جو روح کے سنانے اور روح ہی کے سننے کے لئے تخلیق ہوا ہے۔ اس میں دیر تو ظاہر ہے کہ لگ رہی ہے' ان شاء اللہ نتیجہ میں اندھیر ہرگز نہ ہوگا۔ لیکن بین الاقوامی حیثیت رکھنے والے تحریکی جرائد کا اور بالخصوص اُن کا طرزِ عمل مختلف ہونا چاہئے جنہیں مغرب کی "آزاد" فضا میں بیٹھ کر حالات و واقعات کا ایک عالمی منظرنامہ World View لینے کی بہت بہتر سہولتیں میسر ہیں اور جو دنیا بھر کی دینی و اسلامی حوالوں سے احیائی و اصلاحی تحریکوں سے بیک وقت بھی موثر رابطہ رکھیں تو اپنی حکومتوں کی صرف "نگرانی" یعنی Observation میں ہی آتے ہیں' فوری دارو گیر کی زد میں نہیں آتے۔ یہ کرۂ ارضی کے مختلف حصوں میں اپنی سرگرمیوں کی بساط بچھانے والی دینی جماعتوں' تحریکوں اور تنظیموں کے درمیان نہ صرف بامقصد رابطے کا کام دے سکتے ہیں بلکہ اس سے کہیں زیادہ اہمیت و افادیت کا حامل یہ مثبت کردار بھی ادا کر سکتے ہیں کہ احیائے اسلام اور غلبۂ دین کے لئے (بلکہ اب تو یہ اصطلاح بھی کچھ زیادہ نامانوس نہیں رہی لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کی غرض سے) مساعی و جدوجہد کے ضمن میں یہاں وہاں جو طریقہ ہائے عمل اختیار کئے جاتے اور جو اساسی نظریات پیش کئے جا رہے ہیں' ان کی تفصیل بیان کی جائے اور انہیں نقد و نظر کے لئے امتِ مسلمہ کے بالعموم اور اس کے ذہین و فہیم عناصر کے بالخصوص سامنے لایا جائے۔ اس سے اِن شاء اللہ خیرِ کثیر برآمد ہوگا کیونکہ غیر محسوس انداز میں افہام و تفہیم کا ایک عمل از خود جاری ہو جائے گا جو آخر کار ان سب منتشر قوتوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے میں بھی کامیاب ہو کر رہے گا کہ یہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور نبی اکرم ﷺ کی واضح پیشینگوئیوں کا حاصل ہے جس کے بغیر آپؐ کی عالمی اور ابدی رسالت کے تقاضے کماحقہ پورے بھی نہیں ہوتے۔

ہم "اسپیکٹ انٹرنیشنل" سے حزب التحریر کے بارے میں بھی نسبتاً زیادہ تحقیقی investigative مواد اور پہلے سے بڑھ کر ہمدردانہ سلوک کی توقع رکھتے ہیں اور اپنی اس خواہش پر بھی اصرار کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ موقر جریدہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے نظریات کے بھی سنجیدہ مطالعے کے بعد' بڑے پیمانے پر ابلاغ کا شعوری اہتمام کرے ورنہ کم سے کم اس پر مکالمے dialogue کا آغاز تو ہو۔ موصوف نے بالخصوص عصرِ حاضر میں اسلامی انقلاب کے مراحل اور ان کے لوازم پر جو بالکل متعین اور منطقی باتیں کہی ہیں وہ صدا بصحرا تو ان شاء اللہ ہرگز ثابت نہ ہوں گی' اس امر کا استحقاق بہرحال رکھتی ہیں کہ عالمِ اسلام میں انہیں بسرعت پھیلا دیا جائے کیونکہ وہ براہِ راست کتاب و سنت سے ماخوذ ہیں۔ اضافی خصوصیت ان میں پیش کردہ انقلاب کے لائحہ عمل Mechanism کی یہ ہے کہ اسے خود محمد رسول اللہ ﷺ کی مثالی انقلابی جدوجہد کے نقشے کو موقع و محل کی مناسبت سے نازل ہوتی آسمانی ہدایات اور نسلِ انسانی کے عظیم ترین انقلابیؐ کے سوز و ساز نیم شبی کی روشنی میں اٹھائے گئے ایک ایک قدم کی پیمائش کر کے مرتب کیا گیا۔ پھر آج کی دنیا کے معروضی حالات اور عصری تقاضوں کے آئینے میں بھی اس کے عکسِ جمیل کو بے داغ دکھایا اور ثابت کیا گیا ہے۔

آخر میں یہ وضاحت بھی ضروری محسوس ہوتی ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنا یہ نظریہ بھی پورے شدومد کے ساتھ پیش کیا ہے کہ ہر اعتبار سے کامل اسلامی انقلاب تو تاریخِ عالم میں ایک ہی انسانی زندگی Single life span کے اندر اندر صرف ایک بار برپا کیا جا سکا اور یہ منفرد اعزاز و سعادت محمد رسول اللہ ﷺ کا حصہ ہے جنہیں ابد تک نسلِ انسانی کے لئے رحمت للعالمین ہی نہیں بلکہ واحد نمونہ بھی بننا تھا۔ اب اگر کسی شخص یا گروہ کے دماغ میں یہ خناس سما جائے کہ انقلاب آیا کہ آیا اور یہ کہ اس اسلامی انقلاب کے ثمرات سے وہ خود بھی متمتع ہوں گے جسے برپا کرنے کا بیڑہ اٹھا بیٹھے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ تو ہوگا کہ حصولِ نتائج کی بے تاب آرزو میں وہ حُبِّ عاجلہ کا شکار ہو کر صراطِ مستقیم سے بھٹک جائیں اور منزلِ مراد پہلے سے بھی زیادہ دور بلکہ نظروں سے ہی اوجھل ہو کر رہ جائے' بڑی مشکل یہ ہے کہ بعد میں آنے والوں کو جادۂ منزل کے نشانات تلاش کرنے کی زحمت بھی از سرِ نو اٹھانی پڑے گی۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے تنظیم اسلامی کے نام سے جس اصولی اسلامی انقلابی جماعت کی تشکیل کی ہے اس کی حیثیت ان کی تحریک میں مرکزی لہر main stream کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مقصد خوشنودیٔ رب اور نجاتِ اخروی کی واحد غرض سے اسلامی انقلاب کو عملاً برپا کر دینا ہے' لیکن حقیقت پسندی کا عالم یہ ہے کہ مجرد اس نتیجہ کے حصول کو بھی بڑی کامیابی سمجھتے ہیں کہ ان کا ترتیب دیا ہوا قافلہ اسی راہ پر گامزن رہے جو سواء السبیل ہے۔ ایک گام' دو گام یا جتنا بھی قرب منزل سے نصیب ہو' اسی راہ پر ثبات و استقامت کے ساتھ چلتے ہوئے ملے جس کے بارے میں وہ ایک ایسے شخص کے سے اعتماد کے ساتھ کہتے ہیں جسے قرآن نے "اپنا بنا کر چھوڑ دیا" ہو'

Possess کرلیا ہو' کہ "ھذا سبیلی ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی"۔ انجمن ہائے خدام القرآن نسبتاً بنیادی اور وسیع تر Basic and broad-based ادارے ہیں جو مسلمانوں کو قرآن کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ اصل سرچشمۂ ایمان یہی ہے اور اس سے براہ راست مکالمے کے بغیر احیائے اسلام ایک خواب ہے' محض سراب ہے جبکہ "تحریک خلافت پاکستان" جیسا بھاری بھرکم اور مرعوب کن نام تنظیم اسلامی کے دعوتی شعبے کی بس توسیع extension کا ہے جس کی امنگیں بڑی ہی سادہ اور امیدیں بہت قلیل ہیں۔ یعنی مسلمانوں کو صرف یہ بتانا کہ اسلام جب منصبِ حکومت پر فائز ہو تو اس کا اصل نام nomenclature "خلافت عامتہ المسلمین" ہوتا ہے جو "علیٰ منہاج النبوۃ" قائم ہوگی۔ حاکمیتِ الٰہیہ کے زیر سایہ قائم ہونے والی جمہورِ مسلمین کی اسلامی حکومت کو نظامِ اسلام کہو' نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے نام سے پکارو یا کچھ اور کہو' اس کی اصل "خلافت" ہے جس سے سرفراز کرکے رب العالمین نے تمہیں اس جنتِ ارضی میں بھیجا تھا--- اور یہ بھی کہ نظامِ خلافت کوئی حنوط شدہ "ممی" نہیں' ایک زندہ و پائندہ وحدت ہے جس میں حقیقتِ اشیاء کے تازہ ترین انکشافات اور عصرِ جدید کے اعلیٰ ترین ارتقاء کو بھی سمویا جاسکتا ہے' اس کا اپنا حلیہ بھی بگاڑے بغیر!۔ تحریک خلافت پاکستان محض اس پیغام کو عام کرنے' خلافت کی برکات و خصوصیات کی آگہی کو پھیلانے اور خلافت کی پیاس پیدا کرنے کا کام پیش نظر رکھتی ہے۔

"حزب التحریر" سے' ہماری دعائیں جس کے ساتھ ہیں اور مؤقر جریدے "امپیکٹ انٹرنیشنل" سے' جسے ہم اسلامی تحریکوں کا ایک قیمتی اثاثہ سمجھتے ہیں' یہ کہتے ہوئے اپنی معروضات کے اختتام پر پہنچتے ہیں کہ۔

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف' بلکہ ثمر بھی
اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

اللہ ہی جانے اس میں مشیتِ الٰہی کی کون سی رمز پنہاں ہے کہ ڈاکٹر اسرار احمد اصلاً تحریر کے نہیں' تقریر کے آدمی ہیں۔ ان کا پیغام ان کی زبانی یعنی spoken word کے ذریعے تو اطرافِ عالم میں پھیلتا جارہا ہے لیکن شاید یہ کافی نہیں۔ ہم مسلمان سُن سُن کر سُن ہوجانے یا پھر ایک کان سے سُن کر دوسرے سے اُڑا دینے کے عادی ہوچکے ہیں۔ آنکھیں کھولنے کے لئے تحریروں اور ان پر بحث و تمحیص کا سامنے آنا اور مستحضر رہنا شاید ضروری ہے اور اس سلسلے میں اسلام کا احیائی "میڈیا" ایک اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔ ایک شخص کی ذات آپ لوگوں کو نہیں بھائی تو یہ دلوں کا معاملہ ہے' آپ جانیں لیکن خدارا اس کے فکرِ تازہ کی بادِ نسیم کو تو یہ موقع ضرور فراہم کیجئے کہ ان غنچوں کو جو اس فکر میں سوکھ گئے اور ان کلیوں کو جو اس سوچ میں زرد ہوگئیں کہ "آئینِ گلستاں کیا ہوگا' دستورِ بہاراں کیا ہوگا" شگفتگی کی نویدِ جانفزا دے سکے۔ خستگی سے نڈھال اور ضعف سے بدحال امتِ مسلمہ پر آپ کا یہ احسان رہتی دنیا تک یاد کیا جائے گا اور آگے جاکر بھی عنداللہ ماجور ہوگا۔○○

The press conference which had attracted around 40 photographers and journalists turned out to be a pandemonium. Journalists had to stand on their chairs to ask questions. Quite some time was spent on mutual recriminations. Omar Bakri was saying 'we are not happy with you' and the press was protesting against their behaviour. The press wanted to know how Hizbut-Tahrir was able to fund such an expensive conference, especially the eleventh hour demand by the Wembley Arena for another £15,000 as 'extra' security cost. 'By our members and through donations', said Bakri.

"ندائے خلافت" کے باقاعدہ خریداروں کی خدمت میں

اندرون ملک ہمارے خریداروں کو "ندائے خلافت" کے گزشتہ اور موجودہ شمارے تو پرانے معمول کے مطابق ملے ہیں لیکن اس کے درمیان ایک اور اخباری ایڈیشن نظر نواز ہوا ہوگا۔ وہ ہمارے ساتھیوں کی پہلی کوشش تھی لہٰذا شاید زیادہ کامیاب محسوس نہ ہوئی ہو جس کا مقصد یہ ہے کہ معاونین تحریک خلافت پاکستان سے ایک عوامی نوعیت کے رابطے کا اضافی وسیلہ اور تحریک کی سرگرمیوں کی چھوٹی بڑی خبریں ان تک پہنچانے کا اخباری شکل میں ایک ذریعہ میسر ہو جائے تاکہ انہیں یہ اندازہ رہے کہ وہ ایک متحرک قافلہ کے ہم سفر ہیں۔ یہ اندازہ ان شاءاللہ انہیں خود بھی حرکت کرنے پر آمادہ بلکہ بعض حالتوں میں مجبور کرے گا۔ "ندائے خلافت" کے اس اخباری ایڈیشن کا نقش ثانی ان شاء اللہ پہلے سے بہتر ہوگا اور ازاں بعد معاونین اور مختلف سطح کی خلافت کمیٹیوں کے تعاون سے مزید سنورتا چلا جائے گا۔

یہ اخباری ایڈیشن جس کی علیحدہ سے قیمت ۲ روپے فی شمارہ ہے' اندرون ملک خریداروں کو کسی اضافی ادائیگی کے بغیر روانہ کیا جارہا ہے جس کی ضخامت "ندائے خلافت" کے باقاعدہ شمارے کے آٹھ صفحات کے برابر ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ندائے خلافت کا زر سالانہ مزید بڑھایا نہ جائے تو پہلے سے ہی نقصان میں چلنے والے اس پرچے کا خرچ ناقابل برداشت ہو جائے گا۔ ایک متبادل تجویز یہ تھی کہ باقاعدہ شماروں سے اتنے ہی صفحات بچالئے جائیں جو اخباری ایڈیشنوں میں استعمال ہو رہے ہیں لیکن تحریک کی قیادت نے فیصلہ کیا ہے کہ "ندائے خلافت" کے باقاعدہ شماروں کے صفحات کو زیادہ کم نہ کیا جائے اور بیچ کا راستہ اختیار کرتے ہوئے صرف چار صفحات کی کمی روا رکھی جائے۔ چنانچہ موجودہ شمارے سے آپ کے اس پرچے کی ضخامت سرورق سمیت ۲۸ کے بجائے ۲۴ صفحات کردی گئی ہے اور یہ تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ ہم کم سے کم صفحات میں زیادہ سے زیادہ مواد مطالعہ دینے کی اپنی عادت پختہ کرچکے ہیں۔

اندرون ملک خریداروں کا زر سالانہ بدستور ۱۲۵ روپے رہے گا جس میں انہیں اخباری ایڈیشن بھی ارسال کیا جائے گا البتہ ڈاک خرچ کی ہولناک شرح مجبور کرتی ہے کہ بیرون ملک خریداروں کو اخباری ایڈیشن کی ترسیل نہ کی جائے۔ انہیں یاد ہوگا کہ پچھلے دنوں اپنے پرچے کی ضخامت بڑھانے پر ہم نے سالانہ زرتعاون میں جو اضافہ کیا' وہ صرف اندرون ملک خریداروں کے لئے تھا۔ بیرونی خریداروں پر بوجھ کا اضافہ کیا ہی نہیں گیا تھا جسے پھر سے ہلکا کرنے کی ضرورت محسوس کی جائے۔ اور بہرصورت ہمیں آپ سب کا خوش دلانہ تعاون تو درکار ہے ہی کیونکہ "ندائے خلافت" کوئی کمرشل پرچہ نہیں' آپ کی تحریک کا ترجمان ہے------ آپ کا مخلص ----------مدیر ندائے خلافت

ترجمہ : سردار اعوان

معاشی بدحالی اضافۂ آبادی کا نتیجہ نہیں' سبب ہے

آبادی کا بم کب سے پھٹنے پر آیا ہوا ہے' کب پھٹے گا؟

لاہور کے "دی فرائیڈے ٹائمز" نے لندن کے "دی سنڈے ٹیلی گراف" میں شائع ہونے والے مسٹریاں گڈمین کے اس تجزیے کو نقل کر کے پاکستان میں بہبود آبادی اور خاندانی منصوبہ بندی کے علم برداروں کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کیا ہے۔ تعجب ہے کہ ایک ایسے موقع پر جب ہمارے معاصر ہفت روزے کی پسندیدہ حکومت بدنام زمانہ قاہرہ کانفرنس کی افادیت میں رطب اللسان ہے' یہ تجزیہ شائع کرنے کی اسے کیا سوجھی!۔ یہی بات مستی میں شاید یونہی منہ سے نکل جایا کرتی ہے ------- مدیر

جتنی دیر میں آپ یہ جملہ پڑھتے ہیں' ۱۵ نووارد اس دنیا میں قدم رکھ چکے ہوں گے۔ گھڑی کی ہر ٹک کے ساتھ انسانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے ہر پانچ سیکنڈ میں پندرہ بچوں کی پیدائش کا مطلب ہے۔ ۱۸۰ بچے فی منٹ -- ۱۰۸۰۰ فی گھنٹہ' ۲۵۹۲۰۰ فی یوم یا چورانوے ملین سالانہ۔ ہمارے اس کرۂ ارضی پر اس وقت پانچ اعشاریہ چھ بلین انسان موجود ہیں۔ نوع انسانی کو ایک بلین کی تعداد تک پہنچنے میں تین لاکھ برس کا عرصہ لگا۔ لیکن اس کے بعد پانچ بلین ہونے میں ایک سو سال سے بھی کم۔ ۲۰۵۰ء تک یہ تعداد دگنی ہو جائے گی۔ یہ نازک سا کرہ ساڑھے بارہ بلین انسانوں سے لدا ہو گا۔

قاہرہ میں ۵ / ستمبر کو شروع ہونے والی "آبادی اور بہبود" کے موضوع پر کانفرنس میں شرکت کرنے والے اقوام متحدہ کے عملہ کے بیشتر افراد' حکومتی نمائندے اور ماحولیات کے ماہرین آبادی میں اس متوقع اضافے کو قیامت سے کسی طرح بھی کم تصور نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر یہ کانفرنس کسی ایسے پروگرام پر اتفاق نہیں کر لیتی کہ جس کا مقصد صحت کی ابتدائی نگہداشت' افزائش نسل اور خاندانی منصوبہ بندی کی مد میں اخراجات میں اضافہ کر کے آبادی میں اضافے کو کم کرنا ہے تو نوع انسانی ایک بہت بڑی آفت سے دوچار ہو کر رہے گی۔ لوگوں کا ہجوم جگہ اور پانی کی قلت کے سبب ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے گا۔ جب خوراک کی پیداوار میں اضافہ آبادی میں اضافے سے پیچھے رہ جائے گا تو نتیجہ کیا ہو گا۔ قحط' جنگلوں کا صفایا' زمین کی زرخیزی میں کمی اور ماحول کی آلودگی۔ جنگ' غربت' غلاظت اور ناقص غذا لاکھوں انسانوں کی موت کا باعث بنے گی۔ کون ایسا ہو گا جو اس کانفرنس میں پیش کئے جانے والے پروگرام کے خلاف ہو گا؟ شاید کٹر رومن کیتھولکس شیعہ علماء اور بعض توہم پرست افراد کے سوا کوئی بھی نہیں۔ لیکن کیا آبادی پر ہونے والی اس بحث میں یہ ہو گا کہ صرف ہاں میں ہاں ملا دی جائے گی؟ اس جواب کو کسی حد تک ان دو متضاد آراء کے حوالے مل سکتا ہے جو دو فوت شدہ انگریزوں کی تھیں اور ان کی روحیں یقیناً قاہرہ میں بھی پیچھا کریں گی۔ ان میں سے ایک مقامی پادری اور ماہر معاشیات تھامس ملتھوس تھا۔ اس نے ۱۷۹۸ء میں اپنا مشہور مقالہ ESSAY ON POPULATION تحریر کیا تھا۔ اس میں اس نے آبادی کا ایک اصول تحریر کیا ہے جو آج بھی اس موضوع پر بڑی اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ وہ اصول یہ ہے "جانداروں میں ان کے لئے پائی جانے والی غذائی ضروریات سے بڑھ کر پھیلنے کا رجحان۔" یہ تھا ملتھوسین ازم کا جنم' ایک گہرا قنوطیت پسندانہ نظریہ جو آج بش کے جنگی دور اور ماحولیاتی تباہی کے حالات میں بھی ذہنوں میں ہلچل پیدا کرتا ہے مگر یہ نظریہ ایک دوسرے انگریز میکائل سیڈلر کو جو لیڈز کا پارچات کا ایک تاجر اور پارلیمنٹ کا ممبر تھا' قائل نہ کر سکا۔

ملتھوس افسردہ شخص تھا مگر سیڈلر پرامید واقع ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ "جہاں آبادی بڑھ جائے اسے روکنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے رہن سہن میں بہتری پیدا کر دی جائے۔" معیشت کو تیزی سے ترقی دے کر معیار زندگی اونچا کر دیں۔ ملتھوس ایک علمی قسم کا آدمی تھا اس نے دقیق نظریات پیش کئے' ایک کاروباری شخص کی طرح سیڈلر کے اعتراضات اعداد و شمار پر مبنی تھے۔

سیڈلر کو پارلیمنٹ چھوڑے سو برس ہو چکے ہیں لیکن ان کے اعداد و شمار آج بھی اتنے ہی موثر دکھائی دیتے ہیں۔ یو۔ این پاپولیشن فنڈ نے ۲۰۵۰ء تک دنیا کی آبادی کا ۱۲.۵ بلین کا تخمینہ بدترین حالات پر قیاس کرتے ہوئے لگایا ہے۔ موافق حالات میں یہ تعداد آٹھ بلین سے قدرے کم ہی ہو گی۔

آبادی میں اضافہ کی شرح درحقیقت پہلے ہی کم ہو رہی ہے۔ اکثر ماہرین کی رائے ہے ۲۱۰۰ء سے پہلے یہ صفر رہ جائے گی۔ بچے پیدا کرنے کی صلاحیت میں کمی آ رہی ہے۔ ۱۹۵۰ء میں فی عورت بچوں کی اوسط پانچ تھی جبکہ اب یہ تین اعشاریہ نو ہے۔ ۱۹۷۰ء سے لاطینی امریکہ اور ایشیاء میں بچوں کی پیدائش کی شرح کم ہوئی ہے اس دہائی کے آخر تک واقعتاً ایشیاء میں شرح پیدائش میں ایک اعشاریہ نو فیصد اضافہ ہو رہا تھا جو کہ اس وقت دنیا میں مجموعی اضافے سے زائد نہیں تھا۔ یہ کمی کیونکر ہوئی ہے؟ غور سے دیکھا جائے تو نظر آئے گا کہ لوگوں کے رہن سہن میں بہتری واقع ہوئی ہے۔ چنانچہ سیڈلر کی بات درست معلوم ہوتی ہے۔

پال جانسن نے اپنی کتاب "ہسٹری آف دی ماڈرن ورلڈ" میں لکھا ہے کہ ترقی پذیر معیشت شماریات کے اعتبار سے آبادی کی ایک دو مرحلہ تبدیلی سے گزرتی ہے۔ پہلے مرحلے میں صحت کی بہتر نگہداشت کے صلے میں نوزائیدہ بچوں کی اموات میں کمی واقع ہو کر اموات کی شرح کم ہو جاتی ہے جبکہ شرح پیدائش اونچی ہی رہتی ہے۔ اور اونچی شرح پیدائش کی ایک وجہ یہ ہوتی ہے کہ پس ماندہ معیشت میں ہر بچہ بوجھ بننے کی بجائے خاندان کا سہارا بنتا ہے دوسرے مرحلے میں جب معاشی حالات بہتر ہوتے ہیں اور اس کے نتیجے میں معیار زندگی اونچا ہو جاتا ہے تو بچوں کی ضرورت کم ہو جاتی ہے جس سے شرح پیدائش کم ہو کر آبادی میں اضافے کی شرح میں توازن پیدا کر دیتی ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ خوراک کی کمیابی کے بارے میں ملتھوس کا تخمینہ بالکل ہی غلط ثابت ہوا ہے کیونکہ ان کے بعد سے آبادی میں اضافے کے مقابلے میں خوراک کی پیداوار میں اضافہ زیادہ رہا ہے۔ اجرتوں کی نسبت ۱۸۰۰ء میں خوراک کی قیمتوں کی جو سطح تھی' اب اس کا دسواں حصہ رہ گئی ہے آج خوراک کی فی کس کھپت پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔ قحط کی وجہ سے اموات میں حتمی تعداد کے لحاظ سے اور دیگر اموات کی نسبت سے' دونوں صورتوں میں کمی آئی ہے۔ قحط کا معاملہ اب صرف افریقہ تک محدود ہو چکا ہے۔ سیڈلر کے پیروکاروں کا کہنا ہے کہ کسی جگہ لوگوں کی تعداد میں اضافہ وہاں قحط کا باعث نہیں ہوتا بلکہ جنگ' نااہل حکومتیں اور معیشت میں ریاستی مداخلت اس کا اہم سبب ہیں۔ نہ ہی یہ ہوا ہے کہ ملتھوس کے زمانے کے بعد سے آبادی میں پانچ گنا اضافہ کی وجہ سے قدرتی وسائل ختم ہو کر رہ گئے ہوں۔ ہاں یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ بڑھتی ہوئی آبادی کے نتیجے میں پرانی طرز کے قدرتی وسائل ختم ہونے پر نئے وسائل تلاش کرنے کی ضرورت پیش آتی رہی ہے چنانچہ سترھویں صدی میں جب لکڑی کے ایندھن کا بحران پیدا ہوا تو کوئلہ اور پانی کو ترقی دے کر طاقت حاصل کرنے کا راستہ کھل گیا۔ اور ویل کے تیل کی کمی نے پیٹرول کی تلاش کی طرف رخ پھیر دیا۔

لیکن قاہرہ کانفرنس سے پوپ کی علیحدگی اس بناء پر نہیں ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ آبادی میں اضافہ لازماً مفید ہے یا یہ کہ انہیں یقین ہے کہ نوع انسانی اپنے رہن سہن کو برقرار رکھنے کے لئے ضرور کوئی طریقہ نکال لے گی بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ حکومت کی سطح پر آبادی کو روکنے کے پروگرام اکثر انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا سبب بنتے ہیں جس کی بدترین مثال چین کا "ایک خاندان ایک بچہ" کا پروگرام ہے جس میں جبری اسقاط حمل اور بانجھ کاری شامل ہے۔ قاہرہ کے خلاف انہیں کچھ کیتھولک لاطینی امریکی ممالک' ایک اسلامی گروہ اور خواتین کی تائید حاصل ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ آبادی پر قابو پانے کے پروگرام عورتوں کے لئے جابرانہ ہیں۔ اس کے برعکس امریکی حکومت' یورپی برادری اور تیسری دنیا کے بیشتر ممالک اس یقین کا اظہار کرتے ہیں کہ صحت' تعلیم اور خاندانی منصوبہ کا کوئی بھی پروگرام مصنوعی امتناع حمل کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ ہر سال پانچ لاکھ کے قریب عورتیں حمل سے متعلق بیماریوں میں مبتلا ہو کر مرجاتی ہیں۔

آبادی اور معاشیات سے متعلق کمیٹی کے رکن رابرٹ وہیلن کا کہنا ہے کہ ملتھوسین مکتبہ فکر کے دلائل سے کوئی بحث نہیں' قاہرہ میں اصل غور طلب مسئلہ "عورتوں کے حقوق اور ماحول" کا ہوگا۔ آبادی کے معاملات کے ایک ماہر' شیئلے جانسن اس کانفرنس کی یہ کہہ کر نفی کرتے ہیں کہ "تیسری دنیا کے ممالک کو خاندانی منصوبہ بندی کی کیا پڑی ہے؟ انہیں معلوم ہے کہ جو شے آبادی میں اضافے کے لئے نقصان دہ ہے' وہ تعلیم' صحت اور ماحول کے لئے بھی نقصان دہ ہے۔" آبادی کی بحث بہرحال کسی حد تک آگے بڑھی ہے اب اس بات پر عمومی اتفاق رائے پیدا ہونے کی نوبت آرہی ہے کہ آبادی میں اضافے کو کم کرنے کے لئے سفید رنگ کی مالدار قوموں کو رنگ دار غریبوں کو کنڈوم کا "تحفہ" بھیجنے کی بجائے ان کا معیار زندگی اور عورتوں کے حالات بہتر بنانے میں مدد فراہم کرنی چاہئے۔ تاہم ملتھوس اور سیڈلر مکتبہ فکر کے درمیان فاصلے کم نہیں ہوئے۔ حالانکہ یہ عین ممکن ہے کہ اصل مسئلہ آبادی میں اضافے کی بجائے کھپت کی زیادتی کا ہو۔ اگر وسائل محدود پڑ جاتے ہیں تب بھی ایک پوری طرح صنعت یافتہ دنیا' مغرب کی بلندی پر پہنچی ہوئی کھپت اور کم ہوتی ہوئی آبادی کو کام میں لا کر ڈیڑھ سو سال کے لگ بھگ تو نکال ہی لے گی لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ سڈلر کے دلائل میں خاصا وزن ہے۔ آبادی کا معاملہ اگر ایک تباہ کن بم کا سا ہے تو یہ بم بہرحال ابھی تو نہیں پھٹا۔ بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ پھٹنے کے قریب بھی نہیں۔ سردست آفت آفت کا شور مچانے والوں کی دال گلتی نظر نہیں آتی۔

قندِ مکرّر

اسلام نے بادشاہ کے اقتدار کا انکار کیا اور صرف ایک رئیسِ جمہوریہ کو "خلیفہ" قرار دیا

تاریخ میں ہمارے جمہوری نظام کی کوئی نظیر موجود نہیں

اسلام پر وحشت و بربریت کا یورپی الزام بے بنیاد ہے

مولانا ابوالکلام آزاد کی ایک مختصر سی تصنیف "اسلامی جمہوریہ" ہاتھ لگی ہے جو ۱۹۱۳ء میں انہوں نے لکھی تھی۔
اس کے دیباچے پر ۹/ جولائی ۱۹۱۳ء کی تاریخ درج ہے تو اس وقت تک خلافت عثمانیہ کا ادارہ بھی جیسا کچھ تھا' موجود ضرور تھا لیکن اقوام مغرب نے اہل مشرق کو بھی جمہوریت کا درس دے کر اس راہ پر ڈالنے کی مہم کا آغاز کر دیا تھا جس کا نتیجہ چشم فلک نے دنیا بھر میں مسلم اقوام کی رسوائی و زبوں حالی کی شکل میں دیکھا۔ مولانا کو "جمہور " کی زبان بندی کے لئے بتانا پڑا کہ خود اسلام کا نظام حکومت بھی جمہوریت ہے۔ جس میں رئیس جمہوریہ کے لئے "خلیفہ" کا لفظ تجویز ہوا تھا۔ یہ پرانی تحریر بہت سی وہ "خبریں" بھی تازہ کرتی ہے جو ہمارے ذہن کی لوح سے مٹ چکی ہیں ------- مدیر

اسلام ایک جمہوری نظام حکومت ہے اور انسانی حقوق کما حقہ دینے اور دلانے کا وہ (سب سے پہلا) اعلان ہے' جو انقلاب فرانس سے گیارہ سو برس پیشتر ہوا۔ یہ صرف اعلان ہی نہ تھا' بلکہ ایک عملی نظام تھا' جو مشہور مورخ گبن (GIBBON) کے لفظوں میں "اپنی کوئی مثال نہیں رکھتا"۔

پیغمبر اسلام اور آپؐ کے جانشینوں کی حکومت ایک مکمل جمہوریت تھی' اور صرف قوم کی رائے' نیابت اور انتخاب سے اس کی بناوٹ ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی اصطلاح میں جیسے جامع اور عمدہ الفاظ اس مقصد کے لئے موجود ہیں' شاید ہی دنیا کی کسی زبان میں پائے جائیں۔ اسلام نے پادشاہ کے اقتدار اور شخصیت سے انکار کیا ہے' اور صرف ایک رئیس جمہوریہ (PRESIDENT OF REPUBLIC) کا عہدہ قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے لئے بھی "خلیفہ" کا لفظ تجویز کیا' جس کے لغوی معنی نیابت اور قائمقام (VICE-GERENT) کے ہیں۔ گویا اس کا اقتدار محض نیابت ہے' اس سے زیادہ کوئی اختیار نہیں رکھتا۔

اسی طرح قرآن نے نظام حکومت کے لئے "شوریٰ" کا لفظ استعمال کیا: "وامرھم شوری بینھم" ان کی حکومت باہمی صلاح مشورہ سے ہے۔ (۴۲ : ۳۸) چنانچہ ایک پوری سورت اسی نام سے قرآن میں موجود ہے۔ "شوریٰ" کے معنی باہم مشورہ کے ہیں۔ یعنی جو کام کیا جائے' جماعت کی باہم رائے اور مشورہ سے کیا جائے۔ شخصی رائے اور حکم سے نہ ہو۔ اس سے زیادہ صحیح نام جمہوری نظام کے لئے کیا ہو سکتا ہے؟

جب اسلام مسلمانوں کا یہ فرض قرار دیتا ہے کہ وہ ایسی اسلامی حکومت کو بھی منصفانہ تسلیم نہ کریں' جو قوم کی رائے اور انتخاب سے نہ ہو' تو پھر ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے ایک اجنبی بیروکریسی (FOREIGN BUREAUCRACY) کیا حکم رکھتی ہے؟

اگر آج ہندوستان میں ایک خالص اسلامی حکومت قائم ہو جائے مگر اس کا نظام بھی شخصی ہو' یا چند حاکموں کی بیروکریسی ہو' تو بہ حیثیت مسلمان ہونے کے اس وقت بھی میرا فرض یہی ہو گا کہ اس کو ظلم کہوں اور تبدیلی کا مطالبہ کروں۔ اسلام کے علماء حق نے ہمیشہ جابر مسلمان بادشاہوں کے خلاف ایسا ہی اعلان و مطالبہ کیا ہے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ نظام بعد کو قائم نہ رہ سکا۔ مشرقی رومی حکومت اور ایرانی شہنشاہی کے پر شوکت افسانوں نے مسلمان حکمرانوں کو گمراہ کر دیا۔ اسلامی خلیفہ کی جگہ' جو بسا اوقات پھٹے پرانے کپڑوں میں ایک عام فرد کی طرح ملبوس ہوتا تھا' انہوں نے قیصر و کسریٰ بننے کو ترجیح دی۔ تاہم تاریخ اسلام کا کوئی عہد بھی ایسے مسلمانوں سے خالی نہیں رہا ہے' جنہوں نے علانیہ حکام وقت کے استبداد و شخصیت کے خلاف احتجاج نہ کیا ہو' اور ان تمام تکلیفوں کو خوشی خوشی جھیل نہ لیا ہو جو اس راہ میں پیش آئی ہیں۔

فرانس کو اپنی جمہوری حکومت پر ناز ہے اور واقع میں جمہوریت کا مبداء تفاخر کی چیز ہے بھی۔ وہ حکومت جس میں بادشاہی کو دخل نہ ہو' جس نے کسی مخصوص خاندان میں حکمرانی کی تحدید نہ کر دی ہو' جہاں ہر فرد رعیت کو فرمانروائی کی حد تک ترقی کر سکنے کے حقوق حاصل ہوں' جو اعلیٰ و ادنیٰ سب کو ایک نظر سے دیکھتی ہو اور سب پر ایک ہی قانون کا نفاذ فرض سمجھتی ہو' ایسی حکومت کو آیہ رحمت نہ سمجھنا' حقیقت میں انسان کے لئے سب سے بڑی معصیت ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آج کل دنیا میں کیا کسی ایسی حکومت کا وجود بھی ہے؟ یورپ کی مثال خود یورپ میں اور خاص اہل یورپ کے لئے موثر ہو سکتی ہے' مگر ایکس ریز (x-rays) میں جو روشنی ہوتی ہے' کیا کبھی اس نے رات کی تاریکی بھی مٹائی ہے؟

۱۷۹۰ء کے ابتدائی مہینوں میں جمہوریت فرانس نے ایک اعلان شائع کیا تھا کہ فرانسیسی قوم ملکی فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے کی غرض سے اب کبھی جنگ نہ کرے گی اور نہ کسی قوم کی آزادی چھیننے میں اپنی طاقت کو صرف ہونے دے گی۔ دوسرے سال (۱۷۹۱ء میں) جمہوریت کا جب قانون اساسی مرتب ہوا تو اس اعلان کو بھی اس کے ساتھ شائع کیا گیا۔ بعد میں بہت سے تغیرات ہوئے' بہت سی تبدیلیاں پیش آئیں مگر اس دوران میں کوئی ترمیم نہ ہوئی اور قانون میں اس کا مفاد بدستور برقرار رہا۔

یہ زبان قول کی ایک بات تھی۔ زبان فعل کی یہ ادا ہے کہ ۱۸۵۲ء سے الجزائر پر اور ۱۸۸۰ء سے تونس پر فرانس کا قبضہ ہے۔ الجزائر اور اس کے ملحقات کا رقبہ تین لاکھ مربع کلومیٹر ہے۔ صحرائے سوڈان کے علاقے بھی اسی ذیل میں شامل ہیں۔ تونس کی مساحت ڈیڑھ لاکھ کلو میٹر مربع ہے۔ اس پانچ لاکھ پچاس ہزار مربع کلومیٹر سرزمین کو اول سے آخر تک دیکھ جاؤ' مسجد کلیسا کی صورت میں نظر آئے گی' فاتحان اسلام کے مزاروں پر عمارتیں بن رہی ہونگی' مداخل اوقاف سے نشر مسیحت کو امداد ملتی ہوگی' عرب جو ان علاقوں کے اصلی باشندے ہیں' ذلیل و خوار دکھائی دیں گے' اور باوجود ان اعمال استبدادیہ کے فرانس کی جمہوریت پر کسی کو اعتراض کا حق نہ ہو گا!!

توسیع استعمار (کالونیز) کا سودا ایسا نہ تھا کہ اس حد تک کفایت کی جاتی۔ پچھلے سال مراکش کی آزادی بھی سلب ہو چکی ہے اور اس سال ارض شام کو زیر اثر لانے کی طیاریاں ہو رہی ہیں! تا از انم چہ پیش آید' از نیم چہ شود؟

تہذیب کی تو یہ ادائیں تھیں۔ اس توحش کے مناظر بھی دیکھئے' جس کی نسبت مسٹر گلیڈسٹون نے کہا تھا: "دنیا میں جب تک قرآن نامی کتاب موجود ہے' استیصال وحشت کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔" مسلمانوں نے ایک زمانہ میں قبرس (سائپرس) کے عیسائیوں سے معاہدہ کیا تھا کہ ان کی قومی' ملکی اور مذہبی آزادی میں خلل انداز نہ ہوں گے۔ کوئی سو برس اس معاہدے پر گزرے ہوں گے کہ نصرانیت نے عہد شکنی کی۔ دربار بغداد نے انتقام کے لئے علمائے اسلام سے فتویٰ طلب کیا۔ سفیان ثوری اور ابن عیینہ جیسے اکابر نے جواب دیا کہ قبرس پر لشکر کشی جائز نہیں۔ علامہ بلاذری نے یہ تمام فتوے (فتوح البلدان میں) نقل کئے ہیں' اور انہی پر عمل در آمد بھی ہوا!!

بااین ہمہ اسلام پر وحشیانہ عصبیت و بربریت کا الزام بدستور قائم ہے' اور مدنیت فرنگ حسب معمول' معیار تہذیب ہی سمجھی جاتی ہے۔ مرحوم داغ نے شاید اسی دن کے لئے کہا تھا۔

اک جفا تیری کہ کچھ بھی نہیں' پر سب کچھ ہے
اک وفا میری کہ سب کچھ ہے' مگر کچھ بھی نہیں!

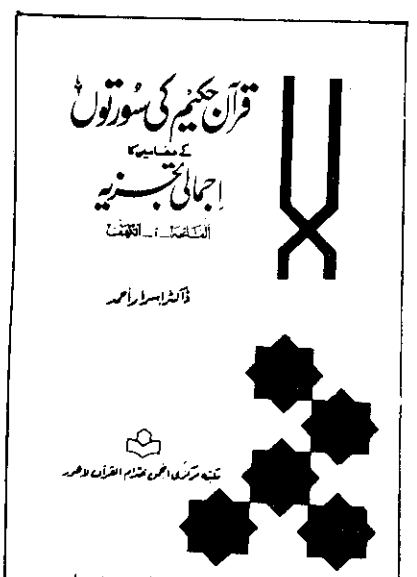

(گزشتہ سے پیوستہ)

میں نے پی آئی اے کی بیجنگ اسلام آباد پرواز کے دوران طیارے میں اپنے میزبان نوجوان کو جب یہ بتایا کہ ڈاکٹر اسرار احمد کی وہ بہو بھی دس روز پہلے تک جب میں لاہور سے روانہ ہوا' اللہ کے فضل و کرم سے بخیر و عافیت تھی اور بیٹا بھی ماشاء اللہ پوری طرح چاق چوبند تھا تو اس کے چہرے کا رنگ اڑ سا گیا۔ بڑے ہی روکھے منہ سے بولا۔ "نہیں' وہ تو پرانی بات تھی۔ دس روز سے زیادہ تو مجھے بھی گھر سے نکلے ہو گئے ہوں گے"۔ "اور سنئے' ان دونوں کا ایک بیٹا بھی ہے جس کا نام شاید آپ کو عجیب سا لگے۔ وہ حسین ہے' حسین عاکف اسرار!"۔ نوجوان کی خجالت میں اب قدرے حیرت کی آمیزش ہو گئی تھی۔ "آپ تک تو یہ اطلاعات اپنے حلقے میں گھومتی سینہ گزٹ کے ذریعے پہنچی ہوں گی' یہ خبریں دینے والا اسی بچی کا باپ ہے جس کی کربناک موت کا آپ نے ابھی ذکر کیا"۔ میں نے گرم لوہے پر اگلی چوٹ لگائی تو محسوس کیا کہ جہاز کے کیبن کریو سے تعلق رکھنے والے اس نیک طینت نوجوان کی متجسس نگاہوں میں میرے لئے احترام کے جذبے کا اضافہ بھی ہو گیا ہے۔

ازاں بعد میں نے اپنی جوابی گفتگو اسی ترتیب سے شروع کی جو اس نوجوان کے استفہامیہ بیان میں تھی۔ میں نے بڑی شفقت سے کہا کہ میرے عزیز' مجھے تمہارے جذبات کی نزاکت کا پورا پورا احساس ہے۔ جمعیت اور جماعت کے طرزِ عمل سے تمہارے دل کو ٹھیس لگی' اس پر بھی مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ انہیں صاف بات کرنی چاہئے تھی جس کی شاید انہوں نے اس لئے ہمت نہ کی کہ بیٹھے بٹھائے ایک مخلص و مستعد کارکن سے ہاتھ کیوں دھولیں۔ لیکن بہرحال یہ سمجھ لو کہ تمہارے اور ہمارے درمیان اختلاف صرف نماز میں کھڑے ہو کر ہاتھ کسی خاص جگہ باندھنے یا سیدھے چھوڑے رکھنے تک محدود نہیں' اس سے کہیں زیادہ اور بڑی حد تک اصولی ہے۔ "لیکن اللہ اور رسول ؐ تو ہمارے ایک ہیں اور "الحمد" سے "والناس" تک قرآن بھی وہی ایک"۔ وہ تلملا سا گیا۔ "تمہیں شاید یہی معلوم ہو' تھوڑا عرصہ پہلے تک میں بھی یہی سمجھتا تھا لیکن افسوس کہ وہ خیال غلط نکلا کیونکہ اللہ اور رسول ؐ سے آگے ہی ہمارا اختلاف شروع ہو جاتا ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

ان دنوں میں نے مولانا منظور احمد نعمانی کی ایک کتاب تازہ تازہ پڑھی تھی جو شیعیت' جناب خمینی اور ایرانی انقلاب کے موضوع پر ہے۔ یہ کتاب ظاہر ہے کہ شائع تو لکھنؤ سے ان کے اپنے ادارے نے کی تھی لیکن پاکستان میں بھی بے قاعدہ یا باقاعدہ چھپے ہوئے اس کے ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ بِک رہے تھے۔ میرے فضائی میزبان کا تعلق شہر کراچی سے تھا جہاں اس کتاب کی دستیابی میں کوئی دشواری حائل نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ میں نے مشورہ دیا۔ "اس مختصر ملاقات میں ہم ایک طویل بحث کو نہیں چھیڑتے' محرم کی شادی کا مسئلہ ہی خاصا تفصیل طلب ہے۔ آپ صرف اتنا کیجئے کہ مولانا منظور احمد نعمانی کی یہ کتاب پڑھ لیجئے اور پھر جا کر اپنے کسی ایسے مجتہد سے پوچھئے جس سے آپ کی بے تکلفی ہو کہ اس کتاب میں شیعیت سے منسوب کردہ عقائد درست ہیں یا غلط۔ وہ اگر تسلیم کریں کہ

زندگانی کی گزرگاہوں میں

محرم کی شادی کا 'گناہ'

اقتدار احمد

درست ہیں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ شیعہ اور سُنّی مسلمانوں کے درمیان اختلافات کی خلیج کتنی چوڑی اور گہری ہے جسے پاٹنا آسان کام نہیں"۔ پھر میں نے جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر انہیں پیش کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ "اور اگر معلوم ہو کہ غلط ہیں' خوامخواہ آپ لوگوں کے سر مڑھ دیئے گئے ہیں یا درست تو ہوں لیکن آپ خود انہیں تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو آ کر مجھ سے ملاقات فرمایئے گا۔ آپ کا شہر شہر آنا جانا لگا ہی رہتا ہے لیکن اگر جلد موقع نہ ملے تو فون کر لیجئے ورنہ خط ہی لکھ دیجئے گا۔ میں آپ کا اپنے چھوٹے بھائی کی طرح کھلی بانہوں استقبال کروں گا اور ڈاکٹر صاحب کی تنظیم اسلامی آپ کو بھی سینے سے لگائے گی جیسے اس نے مجھے قبول کر رکھا ہے بصورتِ دیگر بھی "تعاونوا علی البرّ والتقویٰ" پر عمل کے ہم بہرصورت پابند ہیں ہی"۔ میری اس تقریر میں میرے میزبان پر مایوسی سے ملتی جلتی ایک کیفیت طاری کر دی تھی۔ اس کے دینی جذبات پر اوس سی پڑتی دکھائی دی جس نے میرا بھی دل دکھا دیا لیکن کیا کرتا' اسے دھوکے میں رکھتا؟۔

"میں آپ کے لئے کافی کا ایک کپ نہ لے آؤں' پسند کریں گے؟"۔ اس نے اس سوال کی اوٹ میں دراصل اپنا ذہنی کرب چھپانے کی کوشش کی تھی۔ "نہیں رہنے دیجئے' ابھی تو "سنیکس" کے ساتھ پی تھی۔ میں بلانوش ہوں بھی نہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ وہاں سے کہیں اور آپ کی طلبی ہو گئی تو آپ کے اصل سوال کا جواب ادھورا رہ جائے گا"---- پھر میں نے وضاحت کی کہ میری بات کسی واقف حال کی گواہی نہیں بلکہ اس معاملے کے ایک فریق کا بیان ہے۔ دراصل جب میرے بڑے بھائی ڈاکٹر اسرار احمد صرف بھائی کے ساتھ لیکن بالکل "خالی ہاتھ" اپنے بیٹے کی شادی کی تاریخ لینے بچی والے کے گھر یعنی میرے غریب خانے پر تشریف لائے تو میں نے اپنی اہلیہ سے مشورہ کر کے بتایا کہ فلاں سے فلاں تاریخ نہ ہو' اس سے آگے آپ اپنی سہولت دیکھ لیجئے۔ یہ اکتوبر کے مہینے کا قصہ ہے۔ انہوں نے نکاح کے لئے اگلے مہینے کی تاریخ تجویز کی اور وجہ یہ بیان کی کہ نومبر کی ان تاریخوں میں تنظیم اسلامی کی مرکزی مجلس مشاورت کا اجلاس ہے' ملک بھر سے تنظیم کے اکابرین تشریف لائیں گے چنانچہ انہیں اپنے احباب کی شرکت کوئی اضافی زحمت دیئے بغیر مفت میں حاصل ہو جائے گی۔ مجھے اس پر کیا اعتراض ہو سکتا تھا لیکن اب یہ بات میں حلفیہ کہتا ہوں کہ ہم دونوں اس وقت شمسی کیلنڈر کے پس منظر میں یہ گفتگو کر رہے تھے۔ ہم خوامخواہ کی دینداری کا لبادہ اوڑھنے کا تکلف روا نہیں رکھتے' نہیں چاہتے کہ جتنا دین و مذہب معمولات میں واقعتہً موجود ہے اس سے زیادہ کی نسبت ہماری زندگی کے ساتھ قائم کی جائے۔ رمضان المبارک کے آس پاس تو قمری تقویم ہمارے گھروں میں بھی عام مسلمان گھرانوں کی طرح ضرور استعمال ہوتی ہے' باقی پورا سال ہمارا بھی اسی شمسی تقویم کے کھونٹے سے بندھا ہوا ہے جو اب زمانے میں رائج ہو چکا اور ذہنوں پر حاوی رہتا ہے۔

"یعنی آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ تاریخ محرم کے پہلے عشرے میں آ رہی ہے تو آپ لوگوں کا فیصلہ

مختلف ہوتا؟"۔ میرے ہم نشیں کی کچھ ڈھارس بندھ گئی تھی جس میں سے یہ سوال یوں اچھل کر برآمد ہوا جیسے سوڈے کی بوتل کھولتے ہی جھاگ امڈتا ہے۔ "نہیں' ہرگز نہیں" میں نے جواب دیا اور وہ پھر بجھ سے گئے۔ اپنی گفتگو کا سلسلہ پھر سے جوڑتے ہوئے میں نے عرض کیا کہ دیکھئے پہلے عشرۂ محرم میں پیش کی گئیں ان جانی قربانیوں کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے تئیں خالصتاً اللہ کے دین کے لئے دی تھیں اور ان کا خانوادہ اور اعوان و انصار کا چھوٹا سا گروہ شہادت کے اس منصب جلیلہ پر فائز ہوا جس کی آرزو خود ان کے نانا محمد رسول اللہ ﷺ نے کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بنا پر رد کی گئی کہ سنت اللہ میں رسول کے قتل کی کوئی نظیر موجود نہیں تھی۔ حضرت عیسیٰؑ اس نوبت کو پہنچنے لگے تھے لیکن اس سے متصلاً قبل انہیں زندہ آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ دوسرے رسولوں کی جانوں کے درپے ہو جانے والی قوموں کو عذابِ ہلاکت سے دوچار کر کے رسولوں اور ان پر ایمان لانے والے گنے چنے ساتھیوں کو بچا لیا گیا۔ قرآن مجید جن "ایام اللہ" کے ذریعے تذکیر کا کام کرتا ہے وہ سب انہی رسولوں کے احوال پر مشتمل ہیں۔

"لیکن سیدنا امام حسین کی مظلومانہ شہادت ہے تو ایک اندوہناک واقعہ جس کی یاد میں رنج و غم کا اظہار ہی کیا جا سکتا ہے' شادی کے شادیانے بجانے تو ہرگز مناسب نہیں"۔ یہ ان کی طرف سے اپنے کسی ہتھیار کا آخری وار تھا۔ عرض کیا کہ میرے بھائی' سال کا ہر دن اللہ کا دن ہے' ایک سا سلسلۂ روز و شب۔ استثناء صرف ان چند دنوں اور چند راتوں کو ہے جن کے ساتھ کوئی خصوصیت خود کتاب و سنت کی بنیاد پر وابستہ ہو۔ اور مزے کی بات ہے کہ خوشی کے تو سال بھر میں دو دن مقرر ہیں' غم کی میرے نزدیک کوئی بھی ساعت معین نہیں سوائے آہِ سحرگاہی کے جو اللہ آپ کو بھی نصیب کرے اور مجھے بھی کم از کم اس ارذل عمر میں ہی اس کی لذت سے آشنا کر دے۔ مسلمانوں کے تاریخ میں اور خود ان حضرات کی طرف سے ہی جنہیں آپ ساداتِ اہل بیت کے نام سے جانتے ہیں' اسلام کے سیاسی نظام میں در آنے والی بدعات کے خلاف جدوجہد کے دوران سال کا کون سا دن گزرا ہو گا جس میں کسی نہ کسی اہلِ ایمان نے حق کی گواہی میں جان دیتے ہوئے جامِ شہادت نوش نہ کیا ہو۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

پھر یہ غالبؔ نے جو کہا ہے کہ۔

سب کہاں' کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں' کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

تو عزیزم! یہ امت' محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ چمن تو شہادت کے پھولوں سے ہی گلنار ہے۔ اس گلزار کی زینت یہی پھول تو ہیں جن کے اپنے ہی خون میں نہائے ہوئے جسم زخموں کی بہار کے ساتھ جوں کے توں پیوندِ خاک کر دیئے جاتے ہیں اور فرشتے جنہیں ہاتھوں ہاتھ لے کر وہاں پہنچا دیتے ہیں جہاں تک رسائی کی بے تاب آرزو میں اہلِ ایماں زندگی بھر جان توڑ محنت کرتے بھی مرتے دم تک امید و بیم کے درمیاں معلق رہتے اور وقتِ آخر اس نویدِ ربانی کے لئے ترستے ہیں کہ "یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربکِ راضیۃً مرضیۃً"۔ پھر ہمیں تو بتایا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد و قتال کرتے ہوئے خلعتِ شہادت سے نوازے جانے سے بڑھ کر مقامِ فوز و مسرت کوئی اور نہیں۔ یہ بھی کہ انہیں مردہ نہ کہو' یہ تو زندہ ہیں لیکن ان کی زندگی کا شعور تمہیں حاصل نہیں۔ اب بتایئے شہادت غم کا مقام ہے یا خوشی کا' رشک کرنے کا؟۔ اور سو باتوں کی ایک بات یہ کہ مومن کو تو خوشی اور غم کی دونوں حالتوں میں بیک انداز اللہ کا شکر بجا لانے اور اسے اللہ کی طرف اپنے لئے بہترین خیر سمجھنے کی ہدائت کی گئی ہے۔ ہاں' فوری ردِ عمل کے طور پر کسی خاص کیفیت کا طاری ہو جانا بشریت کا تقاضا ہے اور اس پر گرفت بھی نہیں۔

"آپ کی باتیں دل کو لگتی ہیں لیکن پھر بھی..... مشکل یہ ہے کہ آپ نے لاجواب کر دیا ہے"۔ میں نے عرض کیا کہ محرم میں یا اس کے عشرۂ اولیٰ میں شادی بیاہ کو برا سمجھنے کا مسئلہ حال ہی کی پیداوار ہے۔ اب تو اچھے بھلے حنفی العقیدہ لوگ بھی اس کے نام پر نمعلوم کیوں کانوں کو ہاتھ لگانے لگے ہیں لیکن تین چار عشرے قبل تک محرم میں بھی عام دنوں کی طرح لیکن نسبتاً کم شادیاں ہوتی تھیں۔ ہم لوگ مولانا مودودی کے تصورِ دین کی جامعیت سے جب تک متاثر نہیں ہوئے' خود بھی محرم' شبِ برات اور بارہ وفات (جو خیر سے اب عید میلاد النبیؐ ہو گئی ہے) مناتے تھے۔ نو محرم کی شام کو ہمارے ہاں بھی حلیم پکتا اور محلے بھر میں تقسیم ہوتا تھا جو آپ کو تو معلوم ہی ہو گا کہ کس واقعے کی علامتی یادگار ہے۔ کربلا کے خیموں میں مقیم محترم خواتین نے سارا خوردنی سامان ایک ہی دیگچے میں ڈال کر اکٹھا پکا لیا تھا کہ اس شام کے بعد خشک گوشت کے یہ پارچے' اجناس کے یہ دال دلیے اور نون تیل کس کام آئیں گے!۔ اس کے باوجود خود ہمارے مرحوم پھوپھا بتایا کرتے تھے (اللہ ان کی مغفرت فرمائے' ہمیں ہمیشہ ڈانٹتے رہے کہ "جدّ" کا تعلق چھوڑ کر مجھے "کمر بندی" رشتے سے کیوں پکارتے ہو' تایا کہا کرو۔ تمہارے ابا کا تایا زاد اور بڑا بھائی ہوں) کہ ان کا نکاح عین دس محرم کی دوپہر ہوا تھا اور اس پر مسلمان معاشرے میں کسی کو بھی ذرا سی قباحت کا احساس نہ ہوا حالانکہ اس زمانے میں انگریزی تاریخوں کے مقابلے میں چاند کی تاریخوں کا زیادہ رواج تھا۔

"ٹھہریئے میں کافی لے کر آتا ہوں' آپ کو بھی اس طویل گفتگو نے تھکا دیا ہو گا ورنہ مجھے تو شدید ضرورت محسوس ہو رہی ہے"۔ یہ کہتے ہوئے میرے میزبان نوجوان تھکے قدموں سروس کیبن میں گئے لیکن آن کی آن میں دو کپ اٹھا لائے۔ لگتا تھا دوسرے مسافروں کے مطالبات کے جواب میں کافی کی "کافی" مقدار تیار پڑی تھی۔ میں نے اپنے کپ سے چند چسکیاں لینے کے بعد گفتگو کا سلسلہ پھر سے جوڑتے ہوئے کہا کہ "آپ کی عدم موجودگی میں مجھے ایک بات اور بھی یاد آ گئی ہے۔ کیا جناب حسینؓ نے اپنی دخترِ نیک اختر کا نکاح اپنے بھائی جناب حسنؓ کے صاحبزادے قاسمؒ سے میدانِ کربلا ہی میں' اس عشرے کے آخری دنوں میں نہیں کیا تھا؟۔ آپ لوگ آج تک قاسمؒ کی مہندی نکالتے ہیں کہ نہیں؟؟"۔ ان کے چہرے کے تاثر سے مجھے لگا کہ میرے مخاطب اس عزیز کو محرم میں مہندی کی رسم کی حقیقت میری زبانی ہی معلوم ہوئی ہے۔

ٹیپ کے بند کے طور پر میں نے انہیں بتایا کہ ۷ محرم کو میری بچی کا نکاح مسجد میں ہوا اور اگلے روز قرآن اکیڈمی میں ڈاکٹر صاحب نے ولیمہ کی سادہ سی دعوت دی کہ ان کی رہائش اسی کے کوارٹروں میں ہے۔ ان دونوں مواقع پر نہ میرے گھر میں اور نہ قرآن اکیڈمی میں شادی کے کوئی روائتی شادیانے بجے۔ کوئی چراغاں ہوا نہ شامیانے لگے اور نہ "بارات" کی آمد و رفت ہوئی جس پر اب گولے بھی داغے جاتے ہیں۔ بھانڈوں کو ہنگامہ آرائی کا موقع ملا نہ ان ہنگامہ خیز رسموں میں سے کسی ایک کی پرچھائیں

تک وہاں موجود تھی جن کے ہم نام تک نہیں جانتے' لیکن شادیوں کی "رونق" اور دھوم دھڑکا اب انہی کے دم سے ہے۔ اس شادی سے کچھ عرصہ پہلے میں اپنے بڑے بیٹے کے لئے ڈاکٹر صاحب کی ایک بچی کو دلہن بنا کر لایا تھا۔ شادی کی اس محفل میں مرحوم صحافی محمد شفیع معروف بہ "م۔ش" بھی تشریف لائے اور "تقریب" کی سادگی سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ اگلے روز "نوائے وقت" میں اپنا پورا کالم اسی کی نذر کر دیا اور عنوان یہ جمایا تھا کہ "ایک اونس عمل ایک ٹن وعظ سے بھاری ہوتا ہے"۔ ہمارے ہاں تو سب شادیاں کیمرے اور ویڈیو کے بھی بغیر ہوئیں جن کے نہ ہونے پر ایجاب و قبول بھی اب غیر معتبر سمجھے جانے لگے ہیں۔

میرے میزبان نوجوان کے لبوں پر چُپ کی مہر سی لگ گئی تھی۔ اچانک اسے کوئی خیال آیا جس کی بدولت اس کی خاموشی کا قفل بھی ٹوٹا۔ "روشنی اب غائب ہونے والی ہے' اپنی کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھئے۔ اس وقت ہم شاہراہِ ریشم (قراقرم ہائی وے) کے اس بل کھاتے حصے کے تقریباً ساتھ ساتھ اُڑ رہے ہیں جو چین میں واقع ہے۔ درۂ خنجراب تک پہنچتے اندھیرا چھا جائے گا"..... اور پھر وہ یہ کہتے ہوئے اٹھا اور گرم جوشی سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا کہ ان شاء اللہ آپ سے جلد ہی لاہور میں ملاقات ہو گی۔

میری پرانی ڈائری میں اس عزیز کا نام تو ضرور لکھا ہوا مل جائے گا لیکن بعد میں ان سے ملاقات کیا ہوتی' ٹیلی فون پر کبھی ان کی آواز بھی سنائی نہ دی---

میں نے قراقرم ہائی وے کا پاکستانی حصہ تو زیادہ آگے تک نہیں دیکھا ہے لیکن چینی "کے کے ایچ" کا بھرپور فضائی سروے پہلی اور (شاید) آخری دفعہ اسی شام کیا۔ عریاں یعنی سبزے کی چادر سے عاری اور درختوں کے پیرہے سے بے نیاز رنگ برنگی کہیں خوبصورت و دلکش' کہیں ہیبتناک چٹانوں والے ان بلند و بالا پہاڑوں میں یہ سڑک کبھی نظروں سے اوجھل ہو جاتی اور کبھی ایک چمکتی ہوئی لکیر کی طرح پھر ابھر آتی۔ سورج کی الوداعی ترچھی کرنوں نے اس کی سطح سے جھانکتے سنگ ریزوں کو کیا خوب آب و تاب دی تھی۔ کاش' ہم بھی ابدی اور کبھی نہ بجھنے والے نورِ ہدایت سے اس حیاتِ مستعار میں اس جیسی ہی کوئی خوبی پیدا کر سکیں جو ہمارے خالق و مالک کی نگاہوں کو بھا جائے!۔

اب یہ ذکر چھڑا ہی ہے تو دل پہ پتھر رکھ کر یہ بھی بتا ہی دوں کہ ہمارے ان شیعہ بھائیوں میں سے بہت سے لوگ محرم کی شادی کے اس "انجام" سے بے خبر تھے جس کی اطلاع مجھے پہلی بار اس ہوائی سفر میں ملی۔ ان کی بھی ایک معقول تعداد نے ۲۷/ ستمبر ۱۹۸۶ء کو رونما ہونے والے کار ایکسیڈنٹ میں اپنی جانیں جاں آفریں کو سپرد کرنے والے دو نوجوانوں میں سے ایک کو برادر محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا وہ داماد سمجھا جس سے انہوں نے ۷/ محرم کو اپنی بیٹی بیاہی تھی۔ یعنی یہاں معاملہ الٹا ہو گیا کہ شادی ان کے بیٹے کی نہیں' بیٹی کی ہوئی تھی اور اب سے چند ہی ماہ قبل لاہور کے "دی فرائڈے ٹائمز" جیسے باخبر ہفت روزہ جریدے میں شخصیات کے "پروفائل" لکھنے والی اس کی نمایاں ترین صحافیہ نے ڈاکٹر صاحب کے تعارف میں اس واقعہ کو اسی نئی Twist یعنی مروڑ کے ساتھ درج کر کے "Wrath of Muharram" یعنی "محرم کی مار" قرار دیا تھا۔ جس ملک میں "معتبر انگریزی صحافت" کی باخبری کا عالم بھی یہ ہو وہاں آدمی کو اپنی خیریت کی طرف سے بھی فکر مند رہنا چاہئے-- "ہر لحظہ مری جان! مجھے میری خبر کر"۔

جبکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ قیامت دراصل مجھ پر ٹوٹی تھی۔ میرا بیٹا جو ڈاکٹر صاحب کا داماد بھی تھا' اپنے ابّی سے اور ہم سب بھائیوں کا خواہرزادہ جو داماد میرا تھا' اپنے ماموں اور "باس" سے روٹھ گیا تھا۔ دونوں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت میں جا کر پناہ لے لی تھی۔ ہفتہ کی صبح فجر پڑھ کر مجھ سے ہنستے بولتے رخصت ہوئے' اسی دن چار بجے سہ پہر خبر آئی کہ ناراض ہو گئے اور خانیوال لودھراں ہائی وے پر "دنیا پور" کے چھوٹے اور "اندھے" چوک سے دونوں ایک ہی زقند میں آگے پیچھے "دارِ آخرت" کو سدھار گئے ہیں۔ ان دونوں میں سے کسی کی بھی شادی محرم کے مہینے میں نہیں ہوئی تھی۔ اس سانحہ پر برادر محترم کی ڈاک میں بے شمار اور میری ذاتی اور کمپنی کی ڈاک میں بھی بہت سے تعزیتی خطوط موصول ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب کو "بڑے" لوگوں میں سے صرف بے نظیر بھٹو صاحبہ کا سکولوں والی لکیر دار کاپی کے ایک صفحے پر بدستِ خود تحریر کردہ بہت خوشخط اور نکسالی انگریزی الفاظ میں ڈھلا ہوا خط بھی ملا جو ان دنوں لندن سے واپس آ کر اپنی ملکی سیاست کی بساط پھر سے جمانے میں لگی ہوئی تھیں۔ ——— شاید یہ ان کی خاندانی روائت ہو کہ تعزیتی خط ہاتھ سے اور سادہ سے کاغذ پر لکھا جائے یا پھر ہو سکتا ہے کہ اخبار میں یہ خبر دیکھنے کے بعد بھول جانے کے خوف سے ہاتھ لگنے والا پہلا ہی کاغذ انہوں نے استعمال کر ڈالا ہو۔ واللہ اعلم!۔

——— ان سے ہمارا دور نزدیک کا کوئی بلاواسطہ یا بالواسطہ ربط و ضبط اس وقت تو بالکل تھا ہی نہیں' آج یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ موجودہ صدرِ مملکت فاروق احمد خان لغاری برادر محترم کے دروس قرآن کے کیسٹوں کی ابتدا سے ہی "ذخیرہ اندوزی" کرتے آئے ہیں لہٰذا انہوں نے اب تو بے نظیر صاحبہ سے ان کا ذکر بر سبیلِ تذکرہ کر ہی دیا ہو گا۔

انہی خطوط میں بعض شیعہ بھائیوں کی بے نامی یا قلمی ناموں سے مبارکبادیں بھی ہمیں موصول ہوئیں۔ "مبارک ہو' محرم کی شادی کے گناہ کا عذاب اسی دنیا میں مل گیا۔ اب آگے کی سختی کم ہو جائے گی!" --- وغیرہ---دکھ تو ضرور ہوا لیکن ان کی کم عقلی پر۔ جو صدمہ میں برادر محترم کی طرف سے بروقت قرآنی کمک اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی توفیق سے جھیل گیا تھا' یہ دکھ اس سے بڑا تو ہو سکتا ہی نہ تھا البتہ یہ بات ضرور جی میں آئی کہ وہ حضرات اپنے نام اور پتے تو لکھتے تاکہ جواب میں ہم انہیں حقیقتِ حال سے باخبر ہی کر دیتے ورنہ ان سے ہمارا لینا دینا کیا تھا!۔

اور اب آخر میں یہ وضاحت کہ میرے جگر کے ان ٹکڑوں کا ذکر محض اتفاق سے اس شمارے میں آ رہا ہے جس پر ۲۷/ ستمبر کی تاریخ درج ہے۔ وہ اسی دن عین عالمِ شباب میں اپنے رب سے جا ملے تھے اور وہاں میرے منتظر ہیں۔ لیکن ہم نے ان کی کیا' کسی کی بھی برسی کبھی نہیں منائی۔ والد مرحوم کا انتقال ۱۱/ نومبر ۱۹۶۵ء کو ہوا اور ہمارے سب سے چھوٹے بھائی عزیزم ڈاکٹر ابصار احمد کی دعوت ولیمہ ۱۹۷۲ء کی گیارہ ہی نومبر کو ہوئی تھی۔ اسلام کو مذہب کے بجائے جب سے دین سمجھنے کی توفیق ہوئی' الحمدللہ کہ ہم ان سب رسوم و قیود سے آزاد ہو گئے ہیں جن کا آزار مذہب کی آڑ لے کر ہمارے معاشرے میں بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ گھٹتی عمر اور پرانی ہو کر Matter of routine یعنی معمول کا حصہ بن جانے والی شادیوں کی سالگرہوں کے جاؤ چوچلے تو پہلے بھی کبھی نہیں پالے تھے' شعورِ دین کی تجدید کے بعد سے فاتحہ' سوئم' قل' دسواں اور چالیسواں بھی ہماری جاں بخشی کر گیا۔

(باقی اندرونی سرورق کی دوسری جانب)

بچھڑے کے خول میں سے ووٹوں کی ہوا کا گزر ہوتا تو ہوس اقتدار کی مسحور کن موسیقی برآمد ہوتی تھی اور اب تک ہوتی ہے جس کے سروں پر اچھے بھلے دانا و بینا لوگ بھی بدحواس ہو کر اور دین و دانش کے آداب فراموش کر کے محو رقص ہو گئے اور تاحال اس نامسعود چکر سے نکل نہیں سکے ہیں۔ اور غضب یہ بھی کہ ۴۷ء میں دریائے خوں عبور کرنے سے بھی پہلے جو لہو کی برسات شروع ہوئی اس میں تو اب تک کئی بار چھاجوں برسنے کے باوجود بوندا باندی جاری ہے لیکن خون اسرائیل اپنی تاثیر کھو بیٹھا ہے' جوش میں نہیں آتا جو کوئی موسیٰ اٹھ کر طلسم سامری کو توڑ کر رکھ دے۔ ہارون الگ نرغے میں ہیں' ایک ایک کے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں کہ خدا کے لئے گمراہی کی اس مستی سے باہر نکلو لیکن شنوائی نہیں ہوتی چنانچہ خوف فساد خلق سے اپنی آواز پست رکھنے پر مجبور ہیں۔

کہانی تو یہ بہت لمبی ہے مگر بہرصورت حالت اب یہ ہو گئی ہے کہ گناہ ثواب بن گیا اور ظلمت کو نور قرار دیا جانے لگا ہے اور دم توڑتی مزاحمت کی کیفیت یہ دیکھنے میں آ رہی ہے کہ وہ اخبار بھی اب "زی ٹی وی" کا پروگرام اہتمام سے شائع کرتا ہے جس کے منہ سے بھارت' ہندو' برہمن اور بنئے جیسا کوئی لفظ نکل جاتا تو آب زم زم سے کلی کئے بغیر چین نہ آتا تھا۔ قاہرہ کانفرنس کے خلاف مذہبی جماعتوں نے طوفان کھڑا کیا جو جھاگ بن کر بیٹھا تو اس میں سے بے نظیر بھٹو صاحبہ مبلغ اسلام بن کر نکلی ہیں۔ ٹی وی ڈرامے "الاؤ" میں مجرے پر اعتراض ہوا تھا تو اس کے دفاع میں سربزم دھڑلے سے دلیل یہ لائی جا رہی ہے کہ "شہید" جنرل کے زمانے تک میں ٹی وی سے فلمیں دکھائی گئیں جن کا گانے کے ساتھ اچھل کود کی نوع کا ناچ جزولازم تھا تو اب اس قومی ذریعہ ابلاغ سے جملہ لوازمات کے ساتھ براہ راست مجرا کیوں نہ پیش کیا جائے جس کا نقد فائدہ یہ ہو گا کہ کوٹھوں اور کوٹھیوں کے طواف سے جاں تو چھوٹے گی' منت این و آں تو چھوٹے گی۔ گویا قصاب برسرعام سور کھلانے پر مصر ہے کیونکہ پہلے وہ ہم سے چھوٹے گوشت کی قیمت وصول کر کے کتے کا گوشت کھلا چکا ہے۔ عریانی و فحاشی کی کونسی جدید ترین "امپورٹڈ ورائٹی" ہے جو "ہاٹ کیک" کی طرح نہ بک رہی ہو۔ بھیانک جرائم کی کونسی وحشیانہ قسم ہے جو ہمارے روزانہ اخبارات کے معمول کی خبروں میں شامل نہ ہو گئی ہو۔ بدعنوانی کس بھیس میں جلوہ نہیں دکھا رہی۔ اور سچ پوچھئے تو صورت حال کی خرابی کا نقشہ کھینچنے کے لئے الفاظ کم پڑ جائیں گے لہٰذا شتے از خروارے اسی اجمال پر بس ہے۔

کوئی ہماری مانے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علماء و رجال دین کے لئے یہ آخری موقع ہے کہ انتخابی سیاست کی دلدل سے نکل آئیں جس نے سلسلہ کوہ سلیمان سے تعلق رکھنے والے مولانا فضل الرحمٰن جیسے انقلابی کو ملکہ سبا کا بندۂ بے دام بنا کر چھوڑا' قاضی حسین احمد جیسے سیمابی کی سٹی بھی گم کر کے رکھ دی ہے اور ہجرت و جہاد کا علم بلند کرنے والوں میں سے پروفیسر ساجد میر جیسے شیر کو بھی روباہی سکھا دی۔ ان کا اصل میدان مزاحمت تھا اور پاکستان کی نصف صدی کی تاریخ میں آج تک انہیں کبھی کامیابی کا منہ دیکھنا ملا ہے تو وہ مزاحمتی تحریکوں کا ہی ثمر تھا ورنہ انتخابات میں تو رسوائی بلکہ جگ ہنسائی ہی ان کا مقدر بنی۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ وہ اپنی حکمت عملی پر نظرثانی فرمائیں۔ منکرات اور عدوان و عصیان کے خلاف مزاحمت کے لئے صف بندی کریں تو اولاً اللہ کی معیت انہیں حاصل ہو گی' ملائکہ قطار اندر قطار نصرت کو اتریں گے اور ان کی عاقبت بھی سنور جائے گی۔ ثانیاً ملک و قوم کے حق میں سب سے بڑا خیر یہی ہو گا' مسلمانوں کو آگ کے گڑھے سے واپس کھینچ لانے سے بڑھ کر خدمت خلق اور کون سی ہو سکتی ہے اور ثالثاً مذہبی و دینی قوتوں میں باہم قرب پیدا ہو گا' فرقہ واریت دم توڑنے پر آ جائے گی اور مسلکی اختلافات مسلمانوں کے یک جان ہونے میں آڑے نہ آئیں گے۔ ہم عرض کئے دیتے ہیں کہ یہ فیصلہ اب نہ ہوا تو کبھی نہ ہو گا۔ سوچ لیجئے' ہاتف غیبی کی صدا پر ذرا کان تو دھریئے۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے "تم اے دیں کے رکھوالو"
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

تحریک خلافت پاکستان
کے آغاز کا مقصد

☆ ☆ ☆

۱) نبی اکرم ﷺ کی واضح پیشینگوئیوں کے مطابق پورے کرۂ ارض پر نظام خلافت کے قیام کی راہ ہموار کرنا۔

۲) نظام خلافت کی برکات سے پاکستان اور تمام دنیا کے مسلم و غیر مسلم افراد کو متعارف کرانا۔

۳) رائج الوقت غیر فطری' ظالمانہ اور استحصالی نظاموں کی گمراہیوں اور خرابیوں سے لوگوں کو آگاہ کرنا۔

۴) مسلمانانِ عالم میں دین کے تقاضوں کا شعور بیدار کرنا۔

۵) ابتدائی مرحلے کے طور پر پاکستان کے عوام کو ایسا پلیٹ فارم مہیا کرنا جہاں سے مذہبی فرقہ واریت اور انتخابی سیاست سے بالاتر ہو کر نظام خلافت کے قیام کے لئے منظم جدوجہد کی ضرورت کا احساس پیدا کیا جا سکے۔

بقیہ : پریس ریلیز

جب تک پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے کے مرحلے میں ہیں ان پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنی مصروفیات میں سے کم از کم ایک سال کا وقت نکال کر اس کورس میں داخلہ لیں جو انجمن خدام القرآن نے قرآن کالج میں جاری کر رکھا ہے۔ اس ایک سالہ کورس میں جو دو سمسٹروں پر مشتمل ہے اور جس میں اس سال سے خواتین کے لئے الگ شعبے کا بھی اضافہ کر دیا گیا ہے' تجوید سے لے کر قرآن فہمی کے ابتدائی مرحلے تک لے جاتے ہوئے اتنے عربی قواعد بھی پڑھا دیئے جاتے ہیں کہ پھر قرآن مجید کو ترجمہ کے بغیر براہ راست پڑھا جا سکے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ہمارے حضور ﷺ کی بسم اللہ چالیس سال کی عمر شریف میں ہوئی تھی اور اس عمر تک کے لوگوں کو تو ضرور آگے بڑھ کر قرآن فہمی کی بسم اللہ کر ہی لینی چاہئے البتہ جو لوگ اس مرحلے سے گزر گئے وہ بھی اپنی اولادوں کو اس طرف لگا کر اپنی کوتاہی کا کسی درجے میں کفارہ تو دے ہی سکتے ہیں۔OO

بقیہ : زندگانی کی گزرگاہوں میں

والد مرحوم کی نماز جنازہ ان کے بیٹے ڈاکٹر اسرار احمد نے پڑھا کر اعلان کر دیا تھا کہ سوئم یا قل اور بعد کی سب رسمیں بدعات ہیں جن کے ہم روادار نہیں' آپ حضرات مسنون دعا میں شریک ہو گئے' یہی آپ کی طرف سے ہم پر بڑا کرم ہے۔ ہاں' تین دن ہم تعزیت کے لئے تشریف لانے والوں کی سہولت کے لئے اسی گھر میں موجود رہیں گے جہاں سے والد صاحب کا جنازہ اٹھا ہے۔

وہ دن اور آج کا دن' ۲۹ سال ہونے کو آئے' میں آگے پیچھے تعزیت کے لئے تو چلا جاتا ہوں' کسی کی بھی خوشنودی کے حصول کی غرض سے ان رسموں میں شریک نہیں ہوا۔ ان برسوں میں سے پہلے بیس سال بھرپور کاروباری زندگی بھی گزاری جس میں تعلقاتِ عامہ کی اہمیت کس سے پوشیدہ ہو گی جن کو برقرار رکھنے کے لئے لوگ ہر جگہ پہنچے ہوئے پائے جاتے' کیا کیا پاپڑ بیلتے اور کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل جاتے ہوئے ملتے ہیں۔ مگر میں تو یہ جانتا ہوں کہ بعد میں اپنی مہلت عمر پوری کرنے والا کوئی بھی مردوزن مجھے اپنے والد مرحوم سے زیادہ عزیز تھا نہ کبھی ہو گا۔OO

بقیہ : حدیثِ امروز

قارئین باتمکین! دل کے پھپھولے پھوڑنے کو قلم' کاغذ اور دوات سبھی دَم سادھے سامنے دھرے ہیں۔ ہم اس ہولناک و آتشیں کشمکشِ اقتدار میں کسی فریق کے دمساز ہوتے تو کچھ اور کیفیت ہوتی' اب تو خدا یاد آتا ہے۔ قوم کی قسمت پر بنی ہو تو کس کافر کو خدا یاد نہیں آتا۔ "دمِ واپسیں بر سرِ راہ ہے۔ عزیزو! اب اللہ ہی اللہ ہے"۔ میاں صاحب گئے' بے بی آئیں تو خر رفت و گاؤ آمد والا مضمون تھا' اب بی بی رخصت ہوں اور کوئی بابا آ براجیں تو وہی "گاؤ رفت و خر آمد" ہو جائے گا البتہ ہم خبردار کئے دیتے ہیں کہ اے قوم! اپنی شامت اعمال ہی بھگت' نواز شریف کو لیڈر بنا کر اپنی قسمت پر مہر تو ثبت نہ کروا لے اور وہ خود ہماری سنیں تو میاں نواز شریف صاحب کی ذاتی خدمت میں بھی یہ عرض کریں گے کہ بندۂ خدا' لیلائے اقتدار کے لئے ساری خدائی سے خفا ہو' بس اپنے اللہ سے صلح کر لو۔ اب بھی وقت ہے' ہاری ہوئی بازی آپ جیت سکتے ہیں لیکن اس کے لئے آپ کو "توبۃ النصوح" کرنی ہوگی' اللہ کی جناب میں اعترافِ گناہ اور اس پر حقیقی پشیمانی کے ساتھ سچی توبہ!۔ اس کے بعد آپ اسلام کے دامن میں پناہ لے سکیں گے اور بگڑی بھی تبھی بنے گی۔ مسلمانانِ برصغیر کی بگڑی اسی اسلام سے بنی تھی' خود پاکستان اسلام کے نام پر بنا۔ پاکستان کی عرفیت اسلام ہے' اس کی تو ولدیت بھی اسلام ہے۔ "نواز شریف" بھی محمد نواز شریف بن کر اسلام کی اماں میں آ جائے تو سر آنکھوں پر ------ وہ نواز شریف قوم کا پیارا ہو گا' ہماری آنکھوں کا تارا ہو گا----- پھر ہم سب مل کر سجدۂ سہو کریں گے۔ کیا اقبال نے ہی نہیں کہا تھا کہ ؎

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی' جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

کیا آپ جاننا چاہیں گے
کہ انگلستان میں ہونے والی پہلی بین الاقوامی
عالمی خلافت کانفرنس
نے امت مسلمہ اور بنی نوع انسان کو کیا پیغام دیا؟
اس کانفرنس میں داعی تحریک خلافت پاکستان
محترم ڈاکٹر اسرار احمد
خصوصی دعوت پر شریک ہوئے ---- کانفرنس کی کارروائی
انگریزی زبان میں ہوئی ---- مقررین کے خطابات پر مشتمل
ویڈیو کیسٹ درج ذیل پتہ پر دستیاب ہے۔ ہدیہ =/۱۵۰ روپے

مرکزی دفتر تحریک خلافت پاکستان۔ ۴-اے مزنگ روڈ' لاہور
فون: ۳۱۱۶۶۸

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کے لئے ہمیں علامہ اقبال کی طرف دیکھنا ہوگا

مردِ فکر اقبالؒ نے جو خواب دیکھا تھا' مردِ عمل محمد علی جناح نے اسے شرمندۂ تعبیر کیا

ہر تعلیم یافتہ شخص وہ جواب سوچ لے جو ایک دن اللہ کو دینا ہوگا کہ قرآن فہمی کے لئے عربی کیوں نہ پڑھی

امیرِ تنظیم اسلامی و داعیٔ تحریکِ خلافت' ڈاکٹر اسرار احمد کے تازہ ترین خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز

لاہور ۔ ۱۶ / ستمبر: ۔ امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ ملک کی نظریاتی اساسات کے بارے میں آئے دن کوئی نئی بحث چھیڑ دی جاتی ہے جس کا اصل سبب یہ ہے کہ ہم کچھ کرنے کی بجائے قیل و قال میں ہی وقت گزار دینا چاہتے ہیں۔ مسجد دارالسلام باغ جناح کے اجتماع جمعہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کے لئے ہمیں علامہ اقبال کی طرف ہی دیکھنا ہوگا جو پاکستان کے مفکر' مجوز اور مصور ہیں جبکہ قائداعظم محمد علی جناح اس کے غیر متنازع معمار ہیں جنہوں نے اس کی تعمیر انہی تصورات پر کی تھی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ آب روان کبیر کے کنارے اقبال نے جب ایک اور زمانے کا خواب دیکھا اس کے بہت بعد تک قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے لفظ کو چند نوجوانوں کی شرارت سمجھتے تھے۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء میں محمد علی جناح کا برطانوی پریس میں ایک احتجاجی خط شائع ہوا تھا کہ ہندوستان میں ہندو مسلم ایک قوم ہیں اور یہ بھی کہ کانگریس کوئی ہندو جماعت نہیں ہے۔ اور ۱۹۳۵ء میں اپنے لندن کے قیام کے دوران میں انہوں نے وہ دو ورقہ غصے سے پھاڑ کر پھینک دیا جس میں چوہدری رحمت علی اور ان کے تین نوجوان ساتھیوں نے مجوزہ پاکستان کی تشریح کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ قائداعظم تو ہندو مسلم اتحاد کے داعی تھے اور اگر ہندوؤں کے قریب رہ کر ان کی تنگ نظری اور بدنیتی کا اندازہ نہ کر لیتے تو حصول پاکستان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا۔ امیر تنظیم اسلامی نے وضاحت کی کہ حق بحق دار رسید کا معاملہ کیا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ اقبال مسلمانوں میں احیائی تحریک کے داعی تھے اور قائداعظم نے انہی خطوط پر مسلمانان ہند کے لئے دفاعی تحریک چلائی اور یوں مشیت الٰہی پاکستان کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ پسر اقبال شاید اپنے مرحوم والد کی تعریف و توصیف سے پرہیز کرنا چاہتے ہیں جس کے باعث وہ اقبال کی بجائے قائداعظم کے نظریات کی باتیں زیادہ کرنے لگے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ماضی حال اور مستقبل کو ایک تناظر میں رکھ کر نتائج نکالنے کا کام مردِ فکر اقبال کا تھا تو حال کی ضروریات کے مطابق مہم کو اٹھانا اور چلانا مردِ عمل یعنی قائداعظم محمد علی جناح ہی کا ہو سکتا تھا جو بہت بڑے سیاستدان اور ایک عبقری سٹیس مین تھے۔ قائداعظم نے اپنے زمانے کے حالات کی نبض کو پہچانا اور وہ کام مکمل کر کے چھوڑا جو مسلمانان ہند کے لئے وقت کا تقاضا تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ایک عالی دماغ اور بے غرض و دیانت دار سیاستدان کی طرح قائداعظم اگر زندہ رہتے تو حالات کے مطابق اپنی سیاسی حکمت عملی کو تبدیل کرتے چلے جاتے لیکن وہ نظریاتی اساسات ناقابل تغیر ہیں جن پر پاکستان کی بنیاد رکھی گئی۔

قبل ازیں ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے خطاب کے اصل موضوع یعنی اس سوال پر روشنی ڈالی کہ ہم قرآن مجید کی تکذیب کے مرتکب تو نہیں ہو رہے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن مجید کو جھٹلانا بہت دور کی بات ہے' وہ کلمہ گو تو دائرۂ اسلام سے خارج ہی ہو جاتا ہے جسے قرآن مجید کے متن کے محفوظ ہونے میں بھی شبہ ہو لیکن یہ معاملے کا قانونی پہلو ہے جبکہ حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو قرآن مجید کے فرامین کو سنجیدگی سے نہ لینا' ان سے بے اعتنائی برتنا اور بے التفاتی اور عدم توجہی کا شکار بنائے رکھنا اس کتاب ہدایت کو جھٹلانے ہی کے برابر ہے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن مجید کی تکذیب کا ایک تو وہ انداز تھا جو کفار مکہ نے اختیار کیا دوسرے انداز کی تکذیب میرے اور آپ کے لئے قابل غور اور توجہ طلب ہے۔ ہم زندگی بھر اس کی تلاوت کرتے رہیں لیکن اس کی ہدایات و تعلیمات کو پس پشت ڈالے رکھیں تو یہ وہ عملی تکذیب ہے جس پر یہود سے کہا گیا تھا کہ تم نے تورات کے بارے میں اپنا نصیب یہ ٹھہرایا ہے کہ اس کو جھٹلا رہے ہو۔ اس کی امانت گدھے کے بوجھ کی طرح اٹھائے پھرتے ہو جبکہ حق یہ تھا کہ اسے پڑھتے جیسے پڑھنے کا حق ہے' اس سے قلوب و اذہان کو روشن کرتے اور عمل کے لئے رہنمائی لیتے جو اس کے نزول کا اصل مقصد تھا۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے مسلمانان پاکستان بالخصوص تعلیم یافتہ طبقات کو توجہ دلائی کہ وہ اس سوال کا جواب اسی زندگی میں سوچ رکھیں جس کا ایک دن انہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر سامنا کرنا ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کو خود سمجھ سکنے کی استعداد ہم نے اپنے اندر پیدا کیوں نہ کی۔ ہم نے دنیا بھر کے علوم پڑھے' فنون سیکھے اور اجنبی زبانوں تک میں وہ مہارت حاصل کی کہ خود اس کو بولنے والے رشک کریں لیکن عربی پڑھنے کی ہمیں فرصت نہ ملی جس کے بغیر ہمارے ضمیر پر نزول کتاب ممکن ہی نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہزار ترجمے اور لاکھ تفسیریں بھی وہ اثر پیدا نہیں کر سکتیں جو قرآن مجید اپنے پڑھنے والے پر براہ راست ڈالتا ہے۔ اللہ کا یہ زندہ کلام اپنے پڑھنے والے کو خود مخاطب کرتا ہے جو ترجمے کے ذریعے ہرگز ممکن نہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے بتایا کہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے تعلیم یافتہ لوگ

(باقی اسی صفحے کی پشت پر)